Researches about Islamic Saints

Taftishul Auliya

تفتیش الاولیاء

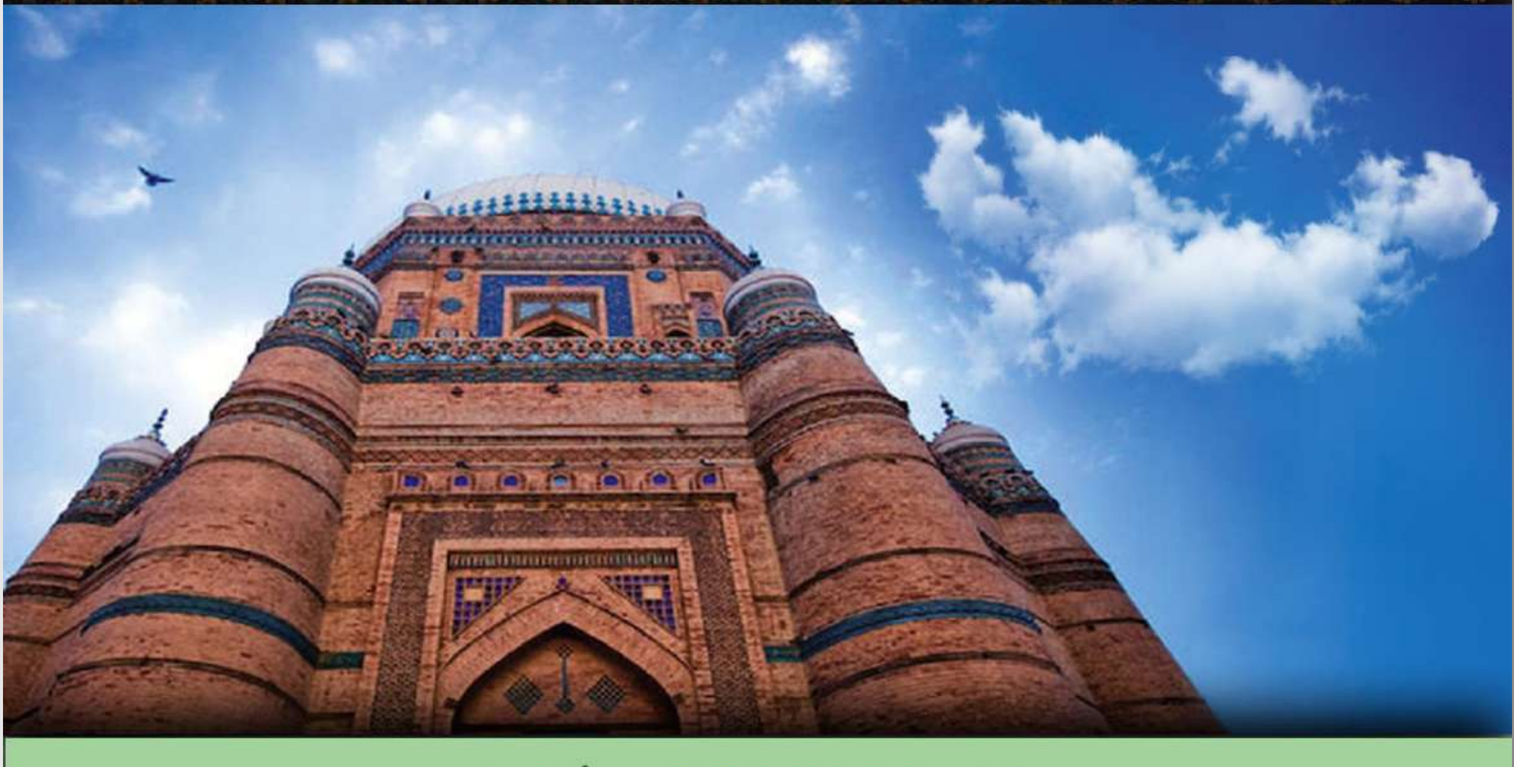

علامہ عماد الدین لاہز

Rev. Mawlawi Dr. Imad ud-din Lahiz

1889

Rev. Mawlawi Dr.Imad ud-din Lahiz

1830–1900

پادری مولوی عماد الدین لاہز

Taftishul Auliya

Researches about Islamic Saints
An inquiry into the origin of Sufi Saints in Islam

By

Rev. Mawlawi Dr.Imad ud-din Lahiz

Wake up, sleeper, rise from the dead, and Christ will shine on you.
Ephesians 5:15

اے توجو سوتا جاگ اور مردوں میں سے اٹھ کہ مسیح تجھے روشن کرے گا۔

(انجیل مقدس خط افسیوں ۵:۱۴)

تفتیش الاولیا

یہ کتاب صوفیہ اوران کے تصوف اوران کے ولیوں کی کفیت کے بارے میں

پادری مولوی عماد الدین لاہز۔ڈی۔ڈی

نے اس مراد سے لکھی ہے کہ اہلِ فکر صوفی اس سے فائدہ اٹھائیں

اوردرمیان ۱۸۸۹ء
رلیجیس بک سوسائٹی کی منظوری سے
ریاض ہینڈ پریس میں طبع ہوئی

فہرستِ مضامین تفتیش الاولیا

دیباچہ

۱۔ فصل	زمانہ گذشتہ و حال کی کیفیت میں	۷
۲۔ فصل	اسلام اور تصوف کے بیان میں	۹
۳۔ فصل	صوفی کی وجہ تسمیہ کیے بیان میں	۱۱
۴۔ فصل	اقسام صوفیہ کے بیان میں	۱۴
۵۔ فصل	ولی اور ولایت کے بیان میں	۱۷
۶۔ فصل	ان صوفی ولیوں کے اختیارات کے بیان میں	۱۹
۷۔ فصل	مجذوب ولیوں کے بیان میں	۲۰
۸۔ فصل	قلندروں کے بیان میں	۲۱
۹۔ فصل	سالکین کے بیان میں	۲۳
۱۰۔ فصل	ان ولیوں کے عہدوں کے نام بجب اختیارات	۲۵
۱۱۔ فصل	صوفی ولیوں کی مشابہت بانبیاء کے بیان میں	۳۰
۱۲۔ فصل	تقسیم عالم یا مقامات عالم کے بیان میں	۳۱
۱۳۔ فصل	معرفت کے بیان میں	۳۲
۱۴۔ فصل	شریعت طریقت حقیقت کے بیان میں	۳۳
۱۵۔ فصل	یقین کے بیان میں	۳۵
۱۶۔ فصل	وحدت وجودی اور شہودی کے بیان میں	۳۵
۱۷۔ فصل	اطوار تقرب صوفیہ کے بیان میں	۳۹

۱۸۔ فصل	علم سینہ اور سفینہ کے بیان میں	۴۲
۱۹۔ فصل	بیعت یعنی پیری مریدی کے بیان میں	۴۳
۲۰۔ فصل	تصورِ شیخ کے بیان میں	۴۴
۲۱۔ فصل	نفی اثبات کے بیان میں	۴۵
۲۲۔ فصل	حبس کے بیان میں	۴۶
۲۳۔ فصل	روزوں اور شب داریوں کے بیان میں	۴۷
۲۴۔ فصل	چلہ کشی کے بیان میں	۴۸
۲۵۔ فصل	صوفیہ کے ورد و ظائف کے بیان میں	۴۹
۲۶۔ فصل	نقشبندیہ کی بعض اصطلاحات کے بیان میں	۵۰
۲۷۔ فصل	لطائف خمسہ کے بیان میں	۵۲
۲۸۔ فصل	حلقہ اور توجہ کے بیان میں	۵۳
۲۹۔ فصل	مراقبہ کے بیان میں	۵۵
۳۰۔ فصل	شجروں اور اجازت کے بیان میں	۵۶
۳۱۔ فصل	صوفیہ کے بعض خاص دعوؤں کے بیان میں	۵۷
۳۲۔ فصل	تناسخ کے بیان میں	۵۸
۳۳۔ فصل	صوفیوں کی وہ کیفیت جواب ہے	۶۲

دیباچہ

پیروں کے نام لیتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے درمیان ایسے ولی اللہ ہوئے ہیں۔اور جب مسیح خداوند کے معجزوں کا بیان سنتے ہیں تواپنے پیروں کی کرامتوں کا ایسا ذکر کرتے ہیں کہ گویا مسیح کے معجزوں سے زیادہ تر قدرتیں اور تاثیریں ان کے پیروں سے ظہور میں آئیں ہیں بلکہ پیغمبروں کے معجزے ان کے ولیوں کی کرامتوں کے سامنے حقیر ہیں۔ان لوگوں نے نہ پیروں کو پہچانا نہ پیغمبروں کو نہ کرامتوں اور معجزوں کی ماہیت کو سمجھا۔

یہ تواندھی اونٹنی کی مانند دنیا کے جنگل میں چرتے ہیں۔میرے ساتھ ایسے لوگوں کی بہت باتیں ہوئیں اور ہوا کرتی ہیں کیونکہ ایک وقت تھا کہ میں ان میں سے تھا۔اس لئے میں ان کے خیالوں کو سمجھتا اور پہچانتا ہوں۔کہ وہ کس رنگ میں ہیں یہ لوگ صوفیہ مشرب کے ہیں۔

اور مجھے معلوم ہے کہ ان میں بکواسی اور متعصب اور قبر پرستی کے سبب مردہ دل لوگ بہت ہیں تو بھی بعض شخص اُن میں خدا کی قربت کے طالب ہوتے ہیں۔اور ان کے اخلاق بھی اچھے ہوتے ہیں۔اور وہ دنیا کے کسی فرقے کے ساتھ عداوت نہیں رکھتے بے تعصب ہو کر صلح کل کا دم بھرتے ہیں۔اور حصولِ قربتِ الٰہی کی غرض سے بڑی ریاضتیں اور مشقتیں خفیہ طور پر کرتے ہیں۔اور یہی خوبی ضرور اُن بعض میں ہے۔لیکن افسوس کہ وہ سادہ لوح اور فریب خوردہ غلطی میں پھنسے ہوئے بے راہ چلے جاتے ہیں۔اگرچہ بعض میں تحقیقات کی طاقت ہے۔لیکن عادت نہیں اور بعض میں طاقت ہی نہیں ہے کہ از خود دریافت کرکے غلطی کو چھوڑیں اور درست طور کو اختیار کریں تاکہ فی الحقیقت سچے خدا کی رفاقت اور قربت حاصل ہو اور وہ سچ مچ ولی اللہ ہو جائیں۔

اور یہ ہی ظاہر ہے کہ اس ملک میں اب تک خدا کی پاک کلیسیا کی طرف سے ان کو ایسی کتاب نہیں دی گئی کہ جو ان کے خیالوں کو ہلائے اور ان کو زندہ خدا کی طرف بلائے اور ان کے خیالوں میں روشنی کا باعث ہو اور اُس جنجال کو جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں سلجھائے اور ان کے گورکھ دھندے کو ہلائے اور ان کی غلطیوں کو ان پر ظاہر کرکے ان کے سامنے راہ راست کو پیش کرے۔شاید ان میں کچھ جانیں اور ہلاک ہونے سے بچیں۔

لہذا میں نے ارادا کیا کہ ایک مختصر کتاب ان کے لیے لکھوں جن میں خاص ان باتوں کا ذکر ہو جو اس بارہ میں تنقیح طلب ہیں اور فضول باتوں کا کچھ ذکر نہ ہو۔پس میں نے اس کتاب کو لکھ دیا اور اس کا نام تفتیش الاولیار کھا کیونکہ اس میں صوفیوں کے ولیوں کی تفتیش ہوئی ہے۔کہ وہ کیسے لوگ ہیں اور ان میں کیا کچھ ہے؟ خدا کرے کہ سب صوفی اسے غور سے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ و باللہ التوفیق۔

۱۔ پہلی فصل زمانہ گزشتہ وحال کی کیفیت میں

ہر عقل مند آدمی کو اسبات میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ زمانۂ گزشتہ میں درمیاں خیالات مردم دنیا کے خصوصاً غیر اقوام کے درمیان سخت اندھیرا تھا اور اِس وقت دنیا میں بہت روشنی اور تھوڑا اندھیرا ہے۔ بعض اندھیرے کے اسباب باانتظام خدا رفتہ رفتہ اٹھ گئے ہیں اور اٹھتے چلے جاتے ہیں۔

گزشتہ زمانے کی نسبت اب لوگوں کے تجربات بڑھ گئے ہیں۔ اب ہمیں وہ باتیں معلوم ہو گی ہیں۔ جو کہ پہلے لوگوں کو معلوم نہ تھیں۔ اگلے زمانے میں اپنے اپنے ملک کے درمیان گھرے ہوئے بیٹھے تھے دور دراز کے ممالک کے باشندوں سے خط وکتابت اور ملاقات کا موقع نہ تھا کہ آپس میں خیالات کو مقابلہ کرکے صحیح وسقیم میں امتیاز کر سکتے۔ اب یہ موقع خوب حاصل ہے۔

اگلے زمانے میں چھاپہ خانے نہ تھے اور یہ حکمت آدمیوں کو معلوم نہ تھی۔ پس وہ اپنے اپنے خیالات کی کتابیں اپنی زبان میں بمشکل قلم سے لکھا کرتے اور لکھواتے تھے۔ اور بہت سے دقت سے تھوڑے نسخے موجود ہوتے تھے۔ اور بڑی قیمت سے بکتے تھے۔ اب کتابیں عام ہو گئی ہیں۔

اگلے زمانے میں پڑھنے لکھنے کا عام رواج بھی نہ تھا۔ ہزاروں جاہل اشخاص ان پڑھ ہوتے تھے۔ اور عالم فاضل تو بہت ہی تھوڑے ہوتے تھے۔ اور وہ بھی صرف اپنے ملکی خیالات کے عالم ہوا کرتے تھے۔ نہ جہان کی باتوں سے آگاہ اور سب جاہل ہدایت کے لیے ان کے منہ کی طرف تاکتے تھے۔ اب یہ باتیں دفع ہو گئیں۔ ڈاک اور ریل اور تار اور مدرسوں مطبعات اور کثرت کتب اور اخبارات اور تعلیم عام اور ملکی اسن چین وغیرہ سے دنیا کا رنگ ہی بدل گیا اور روشنی کا زمانہ آگیا ہے۔

گزشتہ تاریکی کے عہد میں ہر ہر ملک کے لوگوں میں سے بعض چترآدمیوں نے بقدر اپنی اپنی فہمید کے دین ودنیا کے انتظام کے لیے کچھ کچھ مذاہب اور دستورات جاری کر لیے ہیں جنہیں اس وقت کچھ باتیں صحیح اور مناسب اور غلط اور غیر مناسب نظر آتی ہیں۔ بلکہ اس روشنی کے زمانے کے درمیان مذاہب اور دستورات دنیا کے عجیب کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ بعض اپنے مذہبوں کو چھوڑ کر دوسرے مذہبوں میں چلے جاتے ہیں۔ بعض اپنے قدیم مذہب کی مرمت کرتے ہیں۔ بعض لامذہب ہو بیٹھتے ہیں اور بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔ کہ ہم اپنے قدیم مذہب پر ہیں۔ جب کہ قدیم خیالات ودستورات چھوڑ دیا ہے۔ ہاں بعض ہیں جو کہ بے فقری سے لیکر کے فقیر ہیں۔

اب فکر کیجیے کہ یہ کھلبلی دنیا میں کیوں پڑی ہے۔ اسی روشنی کے سبب جو کہ اب دنیا میں آگئی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے مذاہب قدیمہ کے درمیان اس روشنی کی کچھ غلطیاں دیکھیں اور ان کی تمیز نے انہیں بے چین کیا۔ تب سے وہ کچھ حرکتیں کرنے لگے ہیں۔

یہودی اور عیسائی دین کی کتابیں بھی اسی تاریکی کے عہد میں لکھی گئیں تھی۔ لیکن اس روشنی کے زمانے میں وہی ایک عیسائی دین ہے ہر منصف اور عاقبت اندیش آدمی کے خیال میں قایئم رہ سکتا ہے اور بغیر اس کے وہ کہیں تسلی نہیں پا سکتا۔ بلکہ جس قدر یہ روشنی دنیا میں زیادہ بڑھتی ہے۔ اُسی قدر زیادہ زیادہ اس دین کی خوبی ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ یہ دین تمام دنیا کی حدوں تک دوڑ گیا اور اس دین کی اصل کتاب یعنی بائبل شریف دو سو پچاس زبانوں سے زیادہ میں ترجمہ ہو کر عام ہو گئی۔ اور یوں اس دین کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب کے ساتھ خوب ہو گیا اور ہو رہا ہے۔ **اس نے دنیا کے سب مذہبوں کو گرا دیا ہے اور کوئی دنیا کا مذہب اس پر غالب نہ آیا اور نہ آسکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ خدا سے ہے۔ اگرچہ اس عہد تاریکی میں جاری**

ہوا۔ مگر خدا سے جاری ہوا تھا لہذا اس عہدِ روشنی میں قائم اور مضبوط رہتا ہے۔ اہلِ دنیا کے مذاہب انسانوں سے تھے اس لیے وہ شکست کھا گئے۔ لیکن خدا کی ڈالی ہوئی بنیاد محکم ہے اسے ابد تک جنبش نہ ہو گی۔ اور وہی عیسائی دین ہے۔

ہاں بعض دنیاوی عقلمندوں نے اس دین کا بھی بڑی سختی سے مقابلہ کیا ہے اور اس پر کچھ اعتراض کیے ہیں۔ کیونکہ کوئی بات خواہ حق ہو یا نا حق لوگوں نے بغیر اعتراض کیے نہیں چھوڑی خدا کی پاک ذات پر بھی ملحدوں نے اعتراض کیے ہیں۔ لیکن صرف اعتراضوں سے کوئی بات باطل نہیں ہو سکتی ہے۔ جب تک کہ واجبی اعتراض اس کو کہا نہ جائے۔ دیگر مذاہب پر جو اعتراض ہوئے ہیں وہ ان پر کیے گئے ہیں۔ مگر مسیحی دین پر جو اعتراض ہوئے ہیں وہ اسے باطل نہیں کر سکتے۔ بلکہ الٹے معترض کی حالت پر واقع ہوتے ہیں۔

ہم لوگ جو عیسائی ہیں اور خود کو خدا اور اپنی تمیزوں کے سامنے باانصاف سمجھتے ہیں۔ ہم نے اپنی باتوں پر حتیٰ المقدور باانصاف فکر کیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جن اصولوں پر دینِ عیسائی قائم ہے۔ ان کا ماننا ہر فردِ بشر پر اس روشنی کے زمانہ میں بھی زیادہ تر فرض ہے اور جن اصولوں پر قائم ہو کر ہمارے مخالف بولتے ہیں وہ اصول عقلاً باطل اور مکروہ ہیں۔ اس لیے ان کے اعتراض بھی نالائق ہوتے ہیں اور ہمارے دلوں میں سے دین عیسائی کو ہلا نہیں سکتے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ مخالف شکست خوردہ ہیں اور دینِ عیسائی فتحمند ہے ہر قسم کے مخالف پر یعنی دنیاوی مذاہب کے خیالات پر اور تمام جسمانی و روحانی بد خواہشوں پر اور سب اہل الحاد پر بلکہ تمام ظالم بادشاہوں کی تلواروں پر اور سب سلیم الطبع عاقبت اندیش آدمیوں کے دلوں میں بھی۔

چار لفظ عہدِ عتیق میں ایسے ہیں۔ جن پر اس وقت فکر کرنا چاہیئے۔ **اول اندھیرا۔ دوئم موت کا سایہ۔ سوئم چراغ۔ چہارم آفتاب صداقت** پہلے ساری دنیا میں اندھیرا تھا اور موت کے سائے میں سب بیٹھے تھے۔ لیکن یہودیوں پر موت کا سایہ نہ تھا۔ ان پر مسیح کا سایہ تھا کہ جو زندگی ہے وہ اس کے نمونوں میں تھے۔ ہاں کچھ کچھ اندھیرا ان پر بھی تھا۔ مگر ایسا جیسا رات کو چراغ آدمیوں کے ارد گرد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے پاس خدا کا کلام تھا۔ جو کہ چراغ کی مانند تھا اور اس چراغ کو روشنی میں یہ دکھلایا گیا تھا کہ آفتابِ صداقت نکلنے والا ہے۔ اور وہ سارے جہان کو روشن کرے گا۔ سچائی کے اظہار سے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی روشنی سے کہ وہ آفتابِ صداقت ہے تمام دنیا میں دھوپ سے کھل گئی ہے اور ہر برائی بھلائی تمام دنیا میں نظر آتی ہے۔ سچی باتیں اور جھوٹی باتیں۔ آشکارا ہو گئیں۔ بھلے بُرے آدمی بھی پوشیدہ نہ رہے۔ پس یہ وقت خدا کے وعدے کے مطابق آیا ہے اور آتا چلا جاتا ہے۔ تاریکی اور موت کے نیچے سے نکلنے کا وقت ہی وہ زمانہ ہے کہ اب ہر کوئی اپنے خیالات کو اور اپنے مذہب کی باتوں کو بلکہ اپنے آپ کو بھی انجیل کے سامنے لائے اور بطلان و سچائی میں امتیاز کرے۔ **اگر اس کے پاس انجیل سے بہتر کوئی چیز ہے وہ اسے تھامے رہے۔ اور ہمیں بھی دکھلائے اور اگر اس کے پاس محض بطلان اور دھوکا ہے تو وہ گمراہی میں کیوں مرنا چاہتا ہے۔ اپنی جان پر رحم کرے اور غلطی میں سے نکلے۔**

صوفیوں کو بھی اِس وقت مسیح کی روشنی میں اپنا تصوف اور سلوک لے کر حاضر ہونا واجب ہے اور یہ دیکھنا کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے۔ لیکن وہ صاحب اب تک گوشوں میں بیٹھے ہوئے ہُو حق کرتے ہیں اور اپنی خانقاہوں اور مردوں کی قبروں پر سے اٹھ کر زندگی کے درخت کا پھل کھانے کو باہر نہیں آتے میں چاہتا ہوں کہ انہیں ہوشیار کروں اور دائمی استغراق میں سے نکال کر زندگی کی روشنی میں لاؤں۔ میرے بھی بعض بزرگ ہم جد ہیں۔ جو صوفی ہیں۔ اور بہت سے شریف زادے ہیں۔ جو اس تصوف کی آفت میں مبتلا ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی مدد کرے اور انہیں حیاتِ ابدی میں شامل کریں۔

۲۔ فصل اسلام اور تصوف کے بیان میں

سوال یہ ہے کہ آیا علم تصوف علوم اسلام میں داخل ہے یا نہیں اور کہ صوفی آدمی مسلمان ہے یا نہیں۔اسلام کے معنی اپنی حدیثوں میں محمد صاحب نے یوں بتلائے ہیں خدا کو ایک اور محمد صاحب کو نبی ماننا، نماز، روزہ، حج اور زکواۃ ادا کرنا اسلام ہے اور عقلاً بہ وسعت یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ محمد صاحب نے تمام مجموعہ قرآن اور اس کے موافق حدیثوں میں سکھلایا ہے کہ وہی ان کا اسلام ہے۔چنانچہ جو کچھ وید و میں لکھا ہے وہی ویدانت ہے۔اور جو کچھ انجیل مقدس میں مذکور ہے وہی عیسایت ہے۔پس اگر علمِ تصوف قرآن وحدیث سے باستنباط صحیح مستنبط ہے تو وہ علومِ اسلام میں سے ہے۔اور ہر صوفی آدمی مسلمان ہے اور اگر وہ قرآن وحدیث سے نہیں ہے کوئی خارجی بات ہے جو صوفیہ نے کہیں سے نکالی ہے۔تو وہ علومِ اسلام میں سے نہیں اور نہ صوفی آدمی مسلمان ہے۔کیونکہ اس کے عقائد تصوف کے ہیں نہ کہ اسلام کے اور جو محمد صاحب کو مانتا ہے۔بطور صلح کل کے مانتا ہے نہ کہ بطور اسلام کے۔

اب اس بات کا فیصلہ کون کرسکتا ہے؟ اولاً چاہیے کہ معتبر محمدی عالم اس کا فیصلہ کریں کہ وہ تصوف کو اپنے اسلام کا جز سمجھتے ہیں یا نہیں ثانیاً ہم خود فکر کرسکتے ہیں کہ تصوف اسلام میں سے نکلا ہے یا باہر سے آیا ہے۔سب سے زیادہ معتبر کتاب اسلام کے تفسیر اتقان ہے۔اس کی نوع ۷۸ میں لکھا ہے کہ (واما کلام الصوفیة فی القرآن فلنس بنمفسیر۔یعنی صوفیا کا کلام جو قرآن کی بعض آیات کے معنی میں ہوتا ہے۔وہ قرآن کی تفسیر میں نہیں ہے۔یعنی ان کا اپنا تجویز کیا ہوا مضمون ہوتا ہے۔جو کہ محمد صاحب کی مراد نہیں ہے)۔پھر لکھا ہے کہ (النصوص علےظواھر ھا والعدول عنھا الی معانِ یدعیھا اھل الباطن الحاد)یعنی وہ جو صاف صاف قرآنی آیات ہیں۔وہ اپنے ظاہری معنے پر ہیں۔ان ظاہری معنی سے اس طرف جھکنا جن کے مدعی اہلِ باطن یعنی صوفی ہیں الحاد یعنی کفر ہیں۔

اب ناظرین کو معلوم کرنا چاہیے کہ تصوف کس چیز کا نام ہے؟ اکثر کتبِ تصوف دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ ان میں دو قسم کی باتیں مذکور ہیں۔

اول اسلام کی باتیں ہیں مثلاً ایمان، نماز روزہ خلوص جو کہ محمدیت ہے۔ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔یہ سب کچھ ہر گز تصوف نہیں ہے یہ تو اسلام ہے اور اس کا بطلان ہدایت المسلمین اور تواریخ محمدی وتعلیم محمدی وغیرہ میں بندہ نے کافی طور پر دکھلادیا ہے۔

دوئم خاص باتیں صوفیہ کی ہیں کچھ عقائد ہیں کچھ خیالات ہیں کچھ اطوارِ ریاضت ہیں جن کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ معتبر حدیثوں سے بلکہ صوفیہ نے ان اپنی تجویزوں سے اور کچھ بت پرست قوموں سے لے کر جمع کی ہیں۔اسی کا نام علمِ تصوف یا سلوک ہے اور میری بحث اس کتاب میں انہی باتوں سے ہے۔اور وہ تصوف کی باتیں ہمیشہ اسلام سے الگ نظر آتی ہیں۔اور کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ تصوف کا ہے اور یہ اسلام کا ہے۔

اب صوفیوں سے کوئی پوچھے کہ کیا تم اپنے تصوفی خیالات کو قرآن وحدیث کی معتبر تفسیروں سے ثابت کرسکتے ہو کہ آپ لوگ مسلمان سمجھے جائیں اور آپ کے ولیوں کی ولایت اسلام کی برکت سمجھی جائے۔اور آپ تو ہرگز ثابت نہیں کرسکتے کہ تب وہی بات جلال الدین سیوطی کے خیالاتِ تصوف کی نسبت درست ہوگی۔کہ الحاد اور جب تصوفی خیالات الحاد ٹھہرے تو پھر صوفی کیا ہوا ملحد ہوا کہ نہیں اور ملحد سے بالفرض کرامتیں بھی ظاہر ہوں تو الحاد کی حقیقت ثابت ہوگی نا کہ اسلام کی۔

محمدیوں میں جو ۷۲ فرقے مشہور ہیں وہ سب کے سب غالباً تصوف کو ناچیز جانتے ہیں۔اور شعیہ تو اس کے بہت ہی مخالف ہیں۔ لیکن سنیوں میں سے بعض ہیں جو تصوف کی قدر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے شاگردوں کو علومِ اسلام سکھلانے کے پیچھے سے تصوف کی طرف سے ہدایت کرتے ہیں اور وہ کامل صوفی کی تلاش میں ہمیشہ رہتے ہیں کیونکہ اسلام میں ان کی تسلی نہیں ہوتی تصوفی خیالات کے وسیلے سے خدا کے نزدیک جانا چاہتے ہیں۔

کیا خوب بات ہے کہ محمد صاحب نے اسلام نکالا صوفیوں نے تصوف نکالا اسلام کے وسیلے سے کوئی ولی اللہ نہ ہوا تصوف کے وسیلے سے ولی اللہ ہو گئے۔تب تصوف اسلام سے بڑا اور صوفی محمد صاحب سے بڑے ہادی ٹھہرے پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم محمد صاحب کے پیروں ہیں اور وہ ہمارے پیشوا ہیں لیکن اس پیشوائی کا ثبوت اس وقت ہو سکتا ہے تصوف قرآن سے ثابت ہو جاتا ہے تصوف تو ویدوں سے ثابت ہوتا ہے۔نہ کہ قرآن سے پس ان کے پیشوا ویدوں کے مصنف ہوں گے نہ کہ محمد صاحب کے۔ایک محمدی بزرگ نے یوں کہا ہے کہ

علمِ دین فقہ ہست وتفسیر وحدیث ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

یہ شعر اور جلال الدین کا قول بالا تصوف کو محمدی دین سے بے عزتی کے ساتھ باہر نکالتا ہے۔ مگر بعض محمدی مولویوں نے جو تصوف پر فریفتہ ہیں بہ تکلف تصوف کو اسلام میں داخل کیا ہے۔کہ اس کو اسلام کا لب لباب سمجھا ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الایمان جو پہلی حدیث ہے اس میں لکھا ہے کہ

فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ، قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ جبرائیل نے حضرت سے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے فرمایا یہ کہ تو خدا کی ایسی عبادت کرے گویا تو اس کو دیکھتا ہے۔اور اگر ایسا نہ کر سکے تو ایسا کہ وہ تجھے وہ دیکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ دلی حضوری سے عبادت کرنا احسان ہے۔

مظاہر الحق جلد اول صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے کہ احسان اشارہ ہے۔ اصل تصوف پر کہ توجہ الی اللہ سے مراد ہے کہ اور فقہ بغیر تصوف کے تمام نہیں ہوتی۔

یہاں اس مصنف نے دھوکا کھایا کہ چترائی کا کلام کیا ہے کہ تصوف محمدی فقہ کا تکملہ ہو کے اسلام کے علوم میں جگہ پائے۔اس لیے ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ لفظ تصوف بمعنی صفائی قلب اور بات ہے۔اور علم تصوف کو اصطلاحاً مجموعہ قواعد صوفیہ کا نام ہے اور بات ہے کہ بغیر اس مجموعہ قواعد کے اگر کوئی دلی حضوری سے عبادت کر سکتا ہے پھر اس علمِ تصوف پر لفظ احسان سے کیونکر اشارہ ہوگا۔

میں تو خوش ہوں کہ تصوف اسلام کا ایک حصہ یا لب لباب ثابت ہو۔تاکہ تعلیم محمدی اور بھی زیادہ حقیر ہو جائے۔ لیکن انصاف کے سبب سے کہتا ہوں کہ سارا علم تصوف ہر گز قرآن و حدیث سے نہیں نکلا۔ نادانی کی باتیں باہر سے صوفیہ نے لے کر جمع کی ہیں۔کیونکہ اسلام سے دل کی سیری نہ ہوئی تھی اور روح کی بھوک پیاس نہ بجھی تھی تب بھوکے پیاسوں نے ادھر ادھر تاکا کہ کہیں سے کچھ پائیں۔ لیکن جو کچھ بت پرستوں سے پایا اور کھایا وہ زہر قاتل تھا۔کہ ان کی روحیں ہلاک ہو گئیں اور وہ ہمہ اوست کے غار میں اتر گئے۔

نجات اور تسلی زندگی اور خوشی صرف خدا تعالیٰ کے کلام سے حاصل ہوتی ہے اور وہ کلام ان صوفیوں کے پاس نہ تھا۔اس لیے وہ انجام بخیر نہ ہوا۔اپنے گناہوں میں دھنسے ہوئے اس جہاں سے چلے گئے اور روتے ہوئے گئے اور وغدغہ میں گئے کہ بچیں گے یا نہ بچیں گے۔خدا کے بندے بائبل شریف کے مومنین ہمیشہ بوسیلہ کلام اللہ کے تسلی اور مغفرت پا کر مرتے ہیں اور مسیح نے فرمایا ہے کہ (جو کوئی میرے پاس آتا ہے کبھی بھوکا اور پیاسا نہ ہوگا)۔ یہاں روح کی بھوک اور پیاس کا ذکر ہے۔ہم جتنے ایمان سے مسیح کے پاس آئے ہیں ہم نے تسلی اور چین حاصل کیا ہے۔ہم

الٰہی قربت اور مغفرت وغیرہ کے لیے ادھر ادھر ہر گز نہیں تاکتے۔ ہم سیر ہو گئے ہیں اور یہ خدا کے کلام کا خاصہ ہے کہ مومن کو سیر کرے۔ یہ کام قرآن سے اور تصوف سے اور دنیا کی کتاب سے اور کسی ریاضت و عمل اور وظیفہ سے نہیں ہو سکتا۔ صرف مسیح سے ہوتا ہے کیونکہ وہ ازلی کلمہ ہے۔

۳۔ فصل صوفی کی وجہ تسمیہ کے بیان میں

کتابوں میں اس فرقہ کی تین وجہ تسمیہ مذکور ہیں۔ اول یہ کہ صوف کے معنی ہیں پشم یا اون پس وجہ پشمینہ پوشی کے یہ صوفی کہلاتے ہیں۔ میرے گمان میں یہ کچھ بات نہیں ہے اس بات سے تو انگریز بڑے صوفی ہیں وہ سب ہمیشہ اونی کپڑے پہنتے ہیں۔ بھیڑ بکری اور اونٹ بڑے صوفی ہیں کیونکہ صوف پوش ہیں۔ یحییٰ اور الیاس پیغمبروں نے اونٹ کے بالوں کی پوشاک استعمال کی ہے کیا وہ صوفی تھے؟ ہر گز نہیں۔ البتہ اکثر درویشوں کا دستور رہا ہے کہ ایک کمبل یا لبادہ اون کا رکھتے تھے کہ کفایت شعاری اور جسمی آرام اور بزرگانہ شکل قائم رکھنے کے لیے۔ اگلے زمانے کے فقیر اکثر کمبل پوش تھے۔ اور اب بھی بعض ایسے ہیں کہ کمبل پوشی کو درویشی کی سنت سمجھتے ہیں۔

انوار العارفین[1] صفحہ ۸۲ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد صاحب نے فرمایا کہ (علیکم بلبس الصوف) یعنی اون پوشی کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ کان النبی یلبس الصوف ویر کب الحمار۔ نبی صاحبہ پشمینہ پوش رہتے۔ اور گدھے کی سواری کیا کرتے تھے اور یہ بھی حدیثوں میں ہے کہ ایک سیاہ کمبل محمد صاحب نے علی کو دیا تھا۔ صوفی کہتے ہیں کہ وہ فقیری کا نشان تھا۔ اور وہ کمبل پیروں میں دست بدست نصیر الدین محمود تک چلا آیا تھا۔ آخر کو محمود اسے اپنی قبر میں لے گیا۔ اس لیے اس فرقہ میں کمبل پوشی ایک مثل ایک سنت کے ہو گئی امام اعظم صاحب اور داؤد طائی اور ابراہیم ادہم اور حسن بصری اور سلیمان فارسی وغیرہ نے اور اول زمانے کے اکثر بزرگوں نے کمبل پوشی اختیار کی تھی پس ایک وجہ تسمیہ ان کی کمبل پوشی ہے۔ اس وجہ سے صرف کمبل پوشوں کو صوفی کہنا چاہیے۔ ان پیرزادوں کو جو غالیچوں پر بیٹھتے اور کم خواب پہنتے اور پیچوان پیتے ہیں۔ وہ ناحق صوفی کہلاتے ہیں۔ جب کہ کمبل پوش نہیں ہیں۔ دوسری وجہ تسمیہ صوفی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ صوفی آنرا گویند گا وارد دل خود را وصاف دار خاطر خود را از خیال غیر حق۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیار حق کا خیال بھی دل اور خاطر میں نہ آنے دیں۔ یعنی ہمہ دست کے خیال سے مستغرق رہے وہ صوفی ہے۔ یا صوفی وہ ہے جس نے اپنے دل کو خدا کے لیے صاف کیا ہے اور صاف کرنے کے معنی ان کی اصطلاح کے مطابق یہی ہیں۔ کہ کسی غیر شے کے وجود قائل نہ رہے اسے سب کچھ خدا نظر آئے یعنی ہمہ اوست کے درجے کو خوب پہنچا ہو۔ میں سمجھتا ہوں ایسے آدمی نے اپنے دل کو زیادہ تر کدورت اگین کیا ہے کہ خالق کی عزت مخلوقات کو دی ہے۔ اور خدا کو اپنے خیال میں سے نکالا ہے۔ اور غیر چیزوں کو اس کی جگہ میں بٹھایا ہے۔ ایسے شخص کو صاف دل کہنا غلط ہے۔ اگر اس وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں تو یہ وجہ خلاف واقع کے ہے۔ تیسری وجہ تسمیہ صوفی کی اور ہے اور وہ میرے گمان میں زیادہ تر صحیح ہے۔ چاہیے کہ سب مسیحی لوگ ان صوفیوں کو اس تیسری وجہ کے سبب سے صوفی کہیں اور وہ یہ ہے کہ مکہ شہر میں ظہورِ اسلام سے پہلے جب کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ تو اس کے منتظم اور پوجاری یا خدمت گزار قوم صوفہ کے لوگ تھے اور اس وقت ان کی عزت عرب میں تھی۔ وہ پیروں کے موافق تھی اور صوفہ کہلاتے تھے کہ جب اسلام ظاہر ہوا تو محمدیوں میں سے بعض شخص بعض امور میں ان بت پرستوں سے اتفاق کے سبب ان کی طرف منسوب ہو کر صوفی کہلائے شروع میں اسی سبب سے انہوں نے یہ نام

[1] http://www.tasavof.ir/books/download/farsi/tazkareh/anvarol-arefin.pdf

پایاپھر کمبل پوشی اور صفائی وغیرہ کے چرچے ہوئے۔اور وہ اصلی پہلی مکروہ بات پوشیدہ ہوگئی۔دیکھو **غیاث اللغات** لفظ صوفی کے ذیل میں کیا لکھاہے۔(ورشرحی معتبر از شروح نوشته که صوفی منسوب که بصوفه است که قومے بوداز اہل تجردد رایام جاہلیت که خدمت کعبه میکردند د خدمت خلق برائے حق مے نمودند پس اہل تصوف منسوب بایشان شدند)۔

پھر قاموس اور منتہی الارب افیک ہی عبارت یوں لکھی ہے۔(**وصوفه ایضاً ابوحی من مضرو ہوالغوث بن مربن اوبن طائحته کا نوایحذ مون الکعبته و یحبیزون الحاج فی الجاہلته اے یفیفون بہم من عرفات وکان احد ہم یقوم فیقول اجیزی صوفه فاذ اجازت قال اجیزی خندف فاذا اجازت اذن اللناس کلہم فی ا لاحاذة اوہم قوم من افنا القبایل تجعموا فتشکبوااکتشبک الصوفة**)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مضر کے گھرانے میں سے ایک قبیلہ کے باپ کانام صوفہ ہے۔اس کادوسرانام غوث تھااور وہ مربن اوبن طایخہ کابیٹا تھا یہ لوگ کعبہ کی خدمت کرتے تھے۔اور ایامِ جاہلیت میں حاجیوں کو چلاتے ہیں۔یعنی مقام عرفات سے طوائف کے لیے انہیں روانہ کرتے تھے۔کوئی آدمی ان کا کھڑاہو کر کہتا تھا کہ چل اے قوم صوفہ جب وہ چلتے تب وہ کہتا چل مٹک چال جب وہ مٹک چال چلتے توتب تمام لوگوں چلنے کی اجازت ہوتی تھی۔

اور صوفہ ایک گروہ کا نام بھی تھا۔جو سب قبائل میں سے معلوم النسب لوگ تھے وہ جمع ہوتے تھےاورآپس میں ایسا میل ملاپ کرتے تھے کہ جیسے قوم صوفہ مذکرہ بالا کا باہمی میل ملاپ تھا۔پس یہ لوگ آپ کو صوفہ کی مانند بنانے کی وجہ سے صوفہ کہلاتے تھے۔

اجیزی خندف کے معنی ہیں کہ چلو خوشی اور تکبر کی چال میں نے اس کا ترجمہ مٹک چال کیاہے۔چنانچہ اب تک وہاں تین طواف رمل ہوتی ہیں۔یعنی بانکوں کی مانند مگر محمدی لوگ یہ مٹک چال فتح مکہ کا نشان بتلاتے ہیں۔اور قدیم عرب اور مطالب سے کرتے تھے۔**خندف** بمعنی مٹک چال ان کی ایک پڑدادی کانام تھا۔جو الیاس بن مضر کی زوجہ تھی اور طائحنہ کی والدہ تھی۔وہ ایک دفعہ مٹک چال جنگل میں چلی تھی۔جب خرگوش سے اووک کے اونٹ بھاگے تھے۔اس وقت سے اس کے شوہر نے ان کا نام **خندف** رکھ دیا تھااور طائحنہ پڑدادا ہے صوفہ غوث کااور صوفہ غوث سے یہ تمام قوم نکلی تھی اور اپنی جدااعلیٰ کے نام پر سب صوفہ کہلاتے تھے۔پس اس مٹک چال میں وہ اپنی دادی کی سنت پر کوئی اشارہ کہتے تھے اور یہی قوم تمام عرب کے لیے کعبہ پرستی میں پیشوااور پوجاری تھی۔دیگر قبائل میں سے بھی وہ معلوم النسب لوگ جو قوم صوفہ کی مانند عادات بناتے تھے صوفہ کہلائے۔حاصل کلام یہ ہے کہ صوفہ غوث ایک بت پرست آدمی تھا۔اسلام سے بہت دنوں پہلے اس کی تمام اولاد کئی پشت تک صوفہ کہلائی اور دوسرے گھرانوں کے لوگ بھی جو معلوم النسب تھے صوفہ کہلائے اس لیے کہ صوفہ غوث کی اولاد کے نقشِ قدم پر میل ملاپ اور کعبہ کے بتوں کی پرستش کرتے اور سال بسال کعبہ میں جمع ہوا کرتے تھے۔

اس بیان سے جو بالکل صحیح ہے ظاہر ہے کہ لفظ صوفی کی اصل وہی صوفہ غوث بت پرست آدمی ہے اس سے اولاً اسکے اولاد صوفہ کہلائی اور ان کے اقتدار کے سبب غیر لوگ بھی صوفہ کہلائے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ اس جہالت کے زمانے میں درمیاں اُن بت پرستوں کے صوفی لوگ ممتاز تھے وہ خداپرست سمجھے گئے۔اس لیے بعض دیگر قبائل کے لوگ ان کی اقتدار کرکے صوفہ ہوجاتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اطوار خداپرستی میں درست ہیں۔جب اسلام کا زمانہ آیااور تمام ملک عرب بزور شمشیر مسلمان کیا گیااور انہیں محمدی شریعت دی گئی۔ان سے پرانی بت

پرستی کے دستور چھڑائے گئے۔ توانہیں نومسلم لوگوں میں سے اکثروں کے دلوں میں قوم صوفہ کا خمیر موجود تھا۔ چنانچہ اکثر ذی علم صوفی اب تک قائل ہیں کہ ہمارا تصوف اسلام سے پہلے تھااور اسلام میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ خمیر اس کے ذہنوں میں سے نکالتا اب وہ نومرید صوفہ لوگ کیا کر سکتے تھے۔ اگر اسلام کو چھوڑیں تو مارے جائیں صوفہ کو چھوڑیں تو بگمان ذیش حقیقی خدا پرستی سے الگ ہوتے ہیں۔

قیاس چاہتا ہے کہ اس وقت ایسے لوگوں میں بہت کانا پوسی ہوئی ہوگی اور ان ہی کی کانا پوسی کا وہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے جو کہ آج تک صوفیہ میں مشہور ہے کہ ایک علم سینہ ہے تو دوسرا سفینہ ہے۔ ایک ظاہری انتظامی شریعت ہے جو محمد صاحب قرآن وحدیث میں لائے ہیں اس کے پیرو اصحاب ظاہر یعنی محمدی لوگ ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ تو دوسری باطنی شریعت ہے جو صوفیہ میں سینہ بسینہ چلی آتی ہے۔ اور خدا کا وصال اسی سے ہوتا ہے۔ محمدی شریعت ملکی انتظام کے لیے ہے خدا پرستی کی راہیں جدا ہیں وہ لائق آدمی کو بڑی آزمائش کے بعد صوفی لوگ بتلاتے ہیں اور یہ لوگ اصحاب باطن ہیں۔ اور کچھ عرصے کے بعد اس کے ساتھ یہ بھی اڑایا کہ یہ علم سینہ محمد صاحب سے ہی پہنچا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ صوفہ غوث کی بات ہے۔ اور محتسب کے کوڑے اور قاضی کے فتوے میں کچھ تخفیف ہو۔ اور اصحاب ظاہر میں سے جو کچھ مادہ کے شخص ہوں صوفیہ میں شامل ہونا گمراہی نہ سمجھیں بلکہ جانیں کہ محمد صاحب کی اصل ہدایت صوفیہ کے پاس ہے محمد صاحب علی کے کان میں ڈالی گئی تھی۔ حضرت علی نے امام حسن وامام حسین اور کمیل بن زیاد اور حسن بصری کو ہدایت خفیہ کی تھی کہ یہی چار اشخاص پیر طریقیت ہیں اور ان ہی سے یہ نعمت سینہ بسنیہ پیروں میں چلی آئی ہے۔

پس تمام ملک میں جس قدر صوفی پیدا ہوئے۔ صدہا شجرے اپنے مرشدوں سے لے کہ انہیں چار میں سے کسی پیر تک پہنچتے ہیں۔ لیکن نقشبندیہ کہتے ہیں کہ ہمارا بڑا پیر ابو بکر صدیق ہے اُن کو محمد صاحب سے علم باطن پہنچا تھا۔ اور اس کے سلسلے سے ہمیں پہنچا ہے۔

قیاس اور قول بالا سے ظاہر ہے کہ ان کا اصل مرشد وہی صوفہ غوث ہے کیونکہ قوم صوفہ کی اصل باتیں ان میں اب تک ویسے پائی جاتیں ہیں عقائد اور خیالات اور اطوارِ ریاضت وہی ہیں جو ان بت پرستوں کے تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں ان کے اطوار کا مفصل بیان ہوتا ہے۔ اس وقت ناظرین کو اتنا معلوم ہو جائے کہ قاموس کی عبارت میں جو صوفہ کے کاموں کا ذکر ہے۔ وہی کام بعینہ یہ صوفی کرتے ہیں۔

وہ سال بسال کعبے کے میلے میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سال بسال قبروں پر عرس کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ وہ من افناء القبائل تھے۔ صحیح ترجمہ اس عبارت کا یہی ہے کہ سب قبیلوں میں سے معلوم النسب لوگ تھے یہ سب صوفی بھی ہر گروہ میں سے معلوم النسبت ہوتے ہیں اور شجروں سے پہچانے جاتے ہیں کہ کون کس گھرانے کا مرید ہے۔ اگر کوئی اجنبی صوفی آجاتا ہے تو پوچھتے ہیں آپ کس سلسلے کہ ہیں وہ کہتا ہے کہ قادریہ یا چشتیہ وغیرہ ہوں۔ وہ آپس میں میل ملاپ کرتے تھے یہاں بھی وہی حال ہے ہزار اہلِ تماشہ عرس میں آئیں۔ اصل گت صوفیوں ہی کی ہوتی ہے۔ وہ بت پوجتے تھے یہ قبروں کے قدم چومتے ہیں۔ وہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ قبروں کا طواف کرتے ہیں۔ وہ آبِ زم زم پیتے تھے یہ چرنامت چکھتے ہیں۔ یعنی وہ پانی جو قبروں کے غسل اوس دو بالشت کے حوض میں جمع رہتا ہے۔ جو پیر کی قبر سے پیروں کی قبروں کی طرف چونے سے بنی رہتی وہ کعبہ کے غلاف چومتے تھے یہ قبروں کے غلاف آنکھوں سے لگاتے وہ بتوں سے مدد مانگتے تھے یہ مردوں سے مانگتے ہیں۔ ان کا ایک آدمی پیشوائی کرتا تھا۔ ان کا بھی ایک سجادہ نشین پیشوا ہوتا ہے۔ اور یہ خیال جواب تک ان میں ہے۔ کہ تمام ولیوں میں غوث بڑا شخص ہوتا ہے۔ اس کی اصل بھی وہی صوفہ غوث ہے۔ جو اُن میں جدا علی تھا اور کیا تعجب ہے کہ اس کا نام یا غوث بت سے کچھ علاقہ رکھتا ہو۔ جو ان بت پرستوں میں نہایت بڑا دیوتا سمجھا گیا تھا۔ اب فرمائے کہ صحیح وجہ تسمیہ کیا ہے۔

۴۔ فصل اقسام صوفیہ کے بیان میں

صوفیہ کی اقسام دو طرح کی ہیں۔اول خاندانوں کے اعتبار سے اور دوئم ان کی باطنی حالت کے اعتبار سے۔خاندانوں کے اعتبار سے یہ کیفیت ہے کہ اسلام میں جو ۷۲ فرقے اختلاف رائے سے پیدا ہوتے ہیں۔ان سے کچھ ہی زیادہ فرقے ان میں مشخیت کے لیے پیدا ہوئے ہیں خاندانوں کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ جو چار پیر تھے ان سے چودہ خانوادے نکلے ہیں۔

زیدیہ۔عیاضیہ۔اوہمیہ ہبیرٗیہ۔چشتیہ۔عجمیہ۔طیفوریہ۔کرضیہ۔سقطیہ۔جنیدیہ۔کاردینہ طوسیہ۔سہروردیہ۔فردوسیہ۔پھران چودہ سے اور فرقے اس قدر نکلے کہ مصنف لوگ جمع نہیں کر سکتے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔قادریہ۔یسویہ۔نقشبندیہ۔نوریہ۔شطاریہ۔خضرویہ۔نجاریہ۔زاہدیہ۔الضاریہ۔صفویہ۔عیدروسیہ وغیرہ۔اور مشرب قلندریہ میں سے بھی مدرایہ رسول شاہی۔نوشاہی وغیرہ قسم قسم کے فقیر ہندوستان میں پھرتے ہوئے ملتے ہیں۔اور اپنے فرقوں کے نام بتلاتے ہیں اور اسی کو خوبی سمجھتے ہیں۔کہ ہم فلاں فرقے کے ہیں۔وہ اپنے فرقے کے نام سے روٹی کما کر کھاتے ہیں۔اور اکثر ان میں محض جاہل اور نکارہ ست لوگ ہیں جو محنت کر کے کھانا نہیں چاہتے۔غیروں سے خوراک پانا اور نشہ بازی کیے لیے کچھ دام حاصل کرنا اپنی فقیری کا منشا سمجھتے ہیں۔

پھر صوفی کہتے ہیں کہ بااعتبار باطنی کیفیت کے ہمارے درمیان تین قسم کے لوگ ہیں۔واصلان۔متوسطان۔مقیمان۔

مقیمان وہ صوفی ہیں جو اپنی دنیاوی کیفیت میں قائم رہتے ہیں۔اپنی بری حالت کو چھوڑ کر مدارج تصوف میں ترقی نہیں کرتے ان لوگوں کو متصوفہ کہتے ہیں یعنی چھوٹے صوفی۔یہ لوگ شکم پرور اور دنیادار ہیں۔کپڑے رنگے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ تسبیح منہ میں سبحان اللہ وغیرہ الفاظ بولتے، مقبروں اور پیروں کی تعریفیں کرتے اور ان کے عرسوں یا میلوں کی تاریخیں یاد رکھتے اور ختم سنا کے اچھے کھانے اوڑاتے اور دن رات پیسہ پیدا کرنے کی ایسی فکر ہوتی ہے جیسے ایمان دار خدا کی تلاش کرتا ہے۔دیہاتی نادانوں کی طرف بہت جاتے ہیں۔اور ان کو مرید بناتے اور ان کا مال کھا جاتے ہیں۔اور ان کی تعلیم اور صحبت سے اور لوگ اسی قسم کے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔یہ لوگ چلہ کشی یا وردخوانی وغیرہ کچھ کام بھی اگر کرتے ہیں تو منشا یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کریں۔اور جب کوئی دولت مند ذی اختیار ان کے ان کے پنجے میں پھنس جاتا ہے اور ان کی عزت کرتا یا کچھ زمے داری بخش دیتا ہے یا مرنے کے بعد کسی کا مزار بنا دیتا ہے۔تو یہ بات ان کے کمال کی دلیل سمجھی جاتی اور اس کا ذکر پشتوں تک چلا آتا ہے۔کہ فلاں صاحب ایسے بزرگ تھے کہ فلاں امیر نے ان کو یہ کچھ بخشد یا تھا۔بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کے پاس کچھ اثاثہ زمینداری یا کسی خانقاہ کی آمد کا جو ان کے آباء نے اسی طرح پیدا کیا تھا موجود ہے وہ عزت سے رہتے اور غریب صوفیوں کو بھی کچھ کھلاتے اور مہمان داری کرتے ہیں روٹیاں تقسیم فرماتے ہیں۔اور اس وجہ سے دور دور تک تعریفیں ہوتی ہیں اور وہ اس تعریف سے بہت خوش ہوتے ہیں۔کیونکہ آمد بڑھتی اور ولی اللہ مشہور ہوتے ہیں۔اور اس کے ساتھ جب خوش اخلاقی ظاہر کرتے ہیں۔تب زیادہ رونق ہوتی ہے۔لیکن بعض ان میں سخت دل، متعصب اور شہوانی شخص ہوتے ہیں۔

متوسطان وہ ہیں جو مقیمان کے اوپر اور واصلاں کے نیچے سمجھے گئے ہیں انہوں نے دنیا کو کسی قدر چھوڑا اور تصوف کے طریقوں کو اختیار کیا ہے۔لیکن ابھی تک خدا کے پاس نہیں پہنچنے کوشش کر رہے ہیں کہ پہنچ جائیں ان کو سالکین کہتے ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ ایسے صوفیہ میں کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ سو مقیمان میں شاید پانچ ایسے ہوں۔ان میں کچھ تو خدا کی محبت ہے جس کی سبب سے انہوں نے جفاکشی اختیار کی ہے اور کچھ اپنا دنیاوی آرام چھوڑا ہے۔اس لیے وہ عزت اور محبت اور ہم نشینی کے لائق ہیں۔ان کی نسبت مجھے یہی افسوس ہے کہ جس راہ پر وہ چلے جاتے ہیں۔وہ راہ خدا سے ملنے کی نہیں ہے۔بے فائدہ مشقت کھینچتے ہیں۔ان اطوار سے جو انہوں نے اختیار کیے ہیں۔خدا کو کبھی نہ پائیں گے۔میں ان کی منت کرتا ہوں کہ میری یہ باتیں سن کر خفا نہ ہوں۔بلکہ فکر میں پڑ جائیں۔اور غور کریں کہ جو کچھ اس کتاب میں بیان ہوا ہے سچ ہے یا نہیں۔

ان متوسطان میں سے کئی ایک آدمی ہمارے مسیحیوں کی جماعت میں بھی آملے ہیں۔اور دینِ مسیحیت کا انہیں لطف حاصل ہوا ہے۔کیونکہ وہ سچائی کے بھوکے اور رضیاتوں کے تھکے ماندے تھے۔جب وہ مسیح کے پاس آئے مسیح نے بموجب اپنے وعدے کے (متی ۱۱۔۲۸)ان کے دلوں میں آرام داخل کردیا۔اب وہ خدا کا شکر کرتے ہیں کہ صوفیوں کے جال سے نکلے اور پیغمبروں کی جماعت میں آئے اور خدا کو فی الحقیقت پایا اور اس سے فضل حاصل کیا جو دلوں اور خیالوں میں جلوہ گر ہوا ہے اور تبدیل ہوکر نئے انسان ہوگئے ہیں۔اب پورا یقین ہے کہ وہ انتقال کے بعد وہ حقیقی آرام میں پہنچیں گے۔کیونکہ اسی زندگی میں خدا کی قدرت اور محبت کا ہاتھ اپنی طرف دیکھتے ہیں۔پس یہ لوگ ان صوفی متوسطان کو بہت یاد کرتے ہیں جن کو غلطی میں پیچھے چھوڑا ہے ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔کہ خدا تعالیٰ ان کو بھی اس گرداب میں سے ایسا نکالے کہ جیسا ہمیں نکالا ہے۔کیونکہ وہ جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ بکواسی اور شریر نہیں صرف بھول میں ہیں۔

واصلان وہ صوفی سمجھے گئے ہیں جو کہ ان مقیمان اور متوسطان کے گمان میں خدا سے مل گئے ہیں۔تصوف یا سلوک کی منزلیں طے کرکے منزل مقصود کو پہنچے ہیں۔یہی بیان اس کتاب میں بڑی بحث کا ہے۔

اس لیے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسے اشخاص جن کو واصلان کہا جائے صوفیہ میں کبھی ہوئے نہ کبھی ہوں گئے۔یہ صوفیوں کا وہم ہے جو وہ کہتے ہیں ہم میں واصلان بھی گزرے ہیں۔

اور وہ جو ان میں بڑے بڑے نامور ولی اللہ مشہور ہیں۔جن کے عالی شان مقبرے بنے ہوئے ہیں۔جہاں میلوں اور عرسوں کے وقت مریدوں اور پیرزادوں اور عوام مرد عورت کا ہجوم اور چراغوں اور غلافوں اور چورو ناچ اور حال قال اور ماہ وساوں میں پنکھیوں کی دھوم رہتی ہے۔یہ ساری کیفیتیں دلائل ولایت واصلان حق ہونے کے شان نہیں ہیں۔یہ تو پیرزادوں کی دکانداری ہے۔البتہ وہ بزرگ اپنے اپنے زمانے میں بطور صوفیہ خدا پرست اور نیک ہونگے لیکن واصلان میں سے وہ ہرگز نہ تھے۔وہ سب سلوک ہی میں مرگئے۔ہاں ان کے سلوک میں زیادہ استغراق دیکھ کر لوگوں نے انہیں واصلان میں سمجھ لیا ہے۔اور انہیں اڑایا ہے تاکہ وہ جاہلوں میں سے پوجے جائیں اور پیرزادے حلوے کھائیں۔اور ان کے نام سے عزت حاصل کریں کہ ہم اتنے بڑے شخص کی اولاد میں سے ہیں۔آؤ ہمارے پیروں کو ہاتھ لگاؤ اور نذرانہ لاؤ۔

اس مقام پر یہ سوال لازم ہے کہ واصلان حق کے کیا معنی ہیں اور وہ جو واصلان ہیں کیونکر پہچانے جاتے ہیں۔پہلے اس سوال کا تصفیہ کرو۔پھر کہنا کہ کون واصل اور کون فاضل ہے۔

اس سوال کا جواب صوفیہ کی بعض تحریرات سے یوں برآمد ہوتا ہے کہ جو لوگ ہمہ اوست کے خیال میں پختہ ہوگئے ہیں۔وہی ان کے گمان میں واصلان ہیں گویا خدا میں وصل ہوگئے ہیں۔اور وہ جو ان کی کچھ کرامتیں اور مکاشفے مذکور ہیں وہ علاماتِ ولایت ہیں۔اور یہ کہ ان کے عہد کے بعض لوگ ان کے متعقد تھے۔اور اب تک بہت سے لوگ ان کی قبروں پر جمع ہوتے ہیں اور ان سے منت مانتے اور درخواستیں کرتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔

اگر واصلان حق کے معنی اور علامات کچھ اور ہوں جنہیں میں نہ سمجھا ہوں تو چاہیے کہ صوفی خود بیان کرے۔میں توان کی کتابوں کے مطالعہ سے ایسا ہی سمجھا ہوں۔جیسا میں نے اوپر لکھا ہے۔

اور اس بیان کی نسبت یوں کہتا ہوں کہ گزشتہ تاریکی کے زمانے میں وہ بیان قبول ہوا کرتا تھا اب قبول نہیں ہو سکتا ہے۔کیونکہ نہایت ناقص خیال ہے۔اس وجہ سے کہ ہمہ اوست کا خیال فی الواقع ایک باطل وہم ہے۔خدا تعالیٰ ہر گز ہمہ اوست کی کیفیت میں نہیں ہے۔پس یہ لوگ یعنی ان کے اولیا اگر واصل ہیں تو ہمہ اوست کے باطل خیال سے واصل ہیں نا کہ خدا سے۔

اور وہ جو ان کی کرامتیں مشہور ہیں۔ان کا اثبادت محال ہے کیونکہ اگرچہ کرامتوں کے ظہور کا اولیا اللہ سے امکان ہے۔تو بھی کچھ قاعدے ہم مسیحیوں اور محمدی محدثوں کے پاس بھی ضرور موجود ہیں۔جن سے خبروں کی آزمائش کرنا عقلاً واجب ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ کس قسم کی خبریں لائق اعتبار ہوتی ہیں۔انہیں قواعد واجبہ کی روسے محمدی معجزات کی خبریں غیر معتبر ٹھہری ہیں۔اور وہی قواعد ہیں جن سے ہر احمق بت پرست کا منہ کرامتوں کے بارے میں بند کیا جاتا ہے۔پس فرض ہے کہ ہم انہیں قواعد سے ان ولیوں کی کرامتوں کی خبروں کو بھی پرکھیں ثقہ روایوں کی تلاش کریں اور خبروں کا تواتر دیکھیں اگر ہم ایسا کریں تو یہ دفتر کے دفتر کرامتوں کے صاف اڑ جاتے ہیں۔کیونکہ یہ ظاہر مریدوں اور غرض مند پیرزادوں کے بے سروپا ژٹلیات ہیں۔جو ایک وقت میں تصنیف ہو گئے اور اب تک ہر للو پنجو سے تصنیف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بائبل شریف کے معجزات ایک خاص مراد پر اور ایک خاص نبوت کے ساتھ ممتاز ہو کر مرقوم ہوئے ہیں اور ان کا وقوع سنجیدگی میں ہے۔وعلی روس الاشہاد ہوا ہے اس لیے صرف وہی معجزات اعتبار کے لائق ہیں۔

باقی تمام زمین پر ہر گروہ کے لوگ جو کچھ کرامتیں اپنے بزرگوں کی سناتے ہیں ایک بھی نہیں ہے کہ بائبل کے معجزات کے ثبوت کی مانند اپنے بیان کا ثبوت رکھتا ہو۔

محمد صاحب قرآن میں ایک تعلیم دنیا کے سامنے لائے ہیں اگر وہ تعلیم خدا سے ثابت ہوتی تو مناسب تھا کہ خدا اپنی قدرتوں سے اس پر گواہی دے کر اسے ثابت کرتا جیسے گزشتہ زمانے میں اس نے بائبل مقدس کی نسبت کیا ہے۔لیکن خوب ثابت ہو گیا کہ خدا نے قرآنی تعلیم پر کچھ گواہی نہیں دی۔پھر ان صوفی ولیوں کی کرامتوں پر کس بات پر گواہی دیتا ہے۔آیا تصوف پر یا ہمہ اوست کے باطل خیال پر یا ان پیروں کے حال و قال پر۔

معجزات کی وہ پُر شان قدرت جو کہ خدا میں مخفی ہے اور انتظام فطری سے بلند و بالا ہے جسے خدا نے بڑی سنجیدگی کی صورت میں بمزاو ثبوت پیغام گاہے بگاہے ظاہر کیا ہے۔کیا وہ قدرت ایسی عام ہو گئی کہ ان ولیوں نے صدہا کرامتیں چٹکی چٹکی میں کر ڈالیں؟ کیا ان ولیوں پر بھی ایمان لانا اہلِ دنیا پر فرض ہے؟

"دھوکا نہ کھاؤ سوکھی جڑ سے سبز ڈالیاں نہیں نکلا کرتیں"۔

رہے ان کے مکاشفے اور معلمات سو ان کی طرف بھی غور سے دیکھو کہ صرف توہمات ہیں۔حقیقی مکاشفے جو خدا کی طرف سے ہیں بائبل میں مذکور ہیں۔ان کی مانند کوئی مکاشفہ کسی ولی کا اگر کسی کو معلوم ہو تو بتلادے تاکہ ہم اس پر فکر کر کے کہیں کہ وہ مکاشفہ ہے یا وہم ہے یا صرف ایک خیال ہے جو انسان سے ہے۔

اور یہ کہنا کہ ان کے عہد کے لوگ ان کے متعقد تھے یہ کچھ بات نہیں ہے۔جیسے سچے معلموں کے متعقد دنیا میں ہو گزرے ہیں ویسے جھوٹے معلموں کے متعقد بھی ہو گزرے ہیں۔یہ دکھلانا چاہیے کہ ان میں کیا تھا جن کے سبب سے لوگ متعقد ہوئے تھے؟

اور اب جو قبروں پر لوگ جمع ہوتے ہیں۔ان کا سبب تو وہی صوفی باطل خیال ہیں ور اثتہ اًان میں چلے آتے ہیں اور پیر زادگان کی طرف سے کشش بھی ہے اور وہ جو منت مانتے ہیں اس کا سبب انسانی بے ایمانی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر مردوں سے درخواست کرتے ہیں مصیبت زدہ جاہل عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا ہے۔لیکن کیا ہوتا ہے کیا ہر کسی کی مراد پوری ہو جاتی ہے ہر گز نہیں سب کام انتظامِ الٰہی سے ہوتے ہیں۔کیونکر کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ فلاں کام فلاں پیر سے ہو گیا ہے اور کہ کون کون امور میں پیر پرست کامیاب ہیں؟کہ پیروں کے منکر وہاں ناکامیاب رہے ہیں بر خلاف اس کے یہ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو زندہ خدا کو چھوڑ کر غیر معبودوں کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ تمام لعنتیں ان کو گھیرے رہتی ہیں اور آخر ہائے ہائے کر کے بے ایمان مر جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صرف سالکین اور متصوفین صوفیہ میں ہوئے ہیں اور واصلان حق کبھی ان میں نہیں ہوئے اور جن کو انہوں نے واصلانِ حق سمجھا ہے وہ فی الحقیقت واصلانِ حق نہ تھے۔وہ اپنے باطل خیالات میں مستغرق تھے اور اس استغراق میں ان کی حالت دگرگوں دیکھ کر ان لوگوں نے ان کو واصلان سمجھا ہے۔

۵۔ فصل ولی اور ولایت کے بیان میں

لفظ ولی مصدر ولا سے مشتق ہے۔اس کے معنی ہیں کہ محبت رکھنے والا اور اس کی جمع اولیا ہے۔ولایت اسی لفظ ولا سے دوسرا مصدر ہے جس کے معنی دوستی اور تقربِ بندہ بخدا کے ہیں۔

ہر قوم اور ہر فرقے میں بعض ایسے اشخاص بھی ملتے ہیں۔جو کچھ کچھ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔خواہ دانشمندی یا نادانی کے ساتھ لیکن وہ سب ولی اللہ نہیں سمجھے جاتے۔

ولی اللہ میں کچھ اور بھی مطلوب ہے جس سے وہ سچا ولی اللہ سمجھا جائے۔پس کسی نے کہا کہ ولی وہی ہے جو خدا سے محبت رکھتا ہے۔یعنی دونوں میں دوستی ہو۔

اس مضمون پر کسی نے کہا کہ یہ بھی ولی کی پوری تعریف نہیں ہے۔کیونکہ خدا کی محبت پیدائش اور رزق رسانی اور حفاظت اور دنیاوی برکت میں کافروں اور مومنین کی نسبت برابر ظاہر ہے اور دونوں کے لوگوں میں سے بعض ہیں جو خود بھی محبت کا دم بھرتے ہیں۔پس جن میں محبت تو ہے کیا وہ سب ولی ہیں؟ہر گز نہیں۔

مولوی عبدالغفور نفحات کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔عامہ اور خاصہ ولایت عامہ سب مومنین اہلِ اسلام کو حاصل ہے۔خدا کی مہربانی سے خدا کے قریب ہیں۔جس نے انہیں کفر کی تاریکی سے نکالا اور ایمان کے نور میں شامل کیا۔

ولایت خاصہ مقربان درگاہ کے لیے مخصوص ہے۔جس کے معنی ہیں بندہ کا خدا میں فنا ہونا۔بہ نسبت غیر چیزوں کے اور خدا میں بقا ہونا بہ نسبت حق کے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیان بھی مولوی عبدالغفور کا درست نہیں ہے۔اولاً ولایت کی تعریف صحیح کرنا چاہیے پھر تقسیم جب کہ ہم ان کے بیان سے ولایت ہی کو نہیں سمجھے کہ وہ کیا چیز ہے تو ہم اس کی قسمیں کیونکر مان سکتے ہیں؟

اور یہ جو ولایت عامہ میں محمدی مومنین کی نسبت خدا کی مہربانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اس نے انہیں کفر سے نکالا اور نور ایمان میں شامل کیا۔ یہ مقام بحث طلب ہے پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ کفر کیا ہے اور محمدی ایمان کیا ہے اور اس میں کیا روشنی ہے جس کو وہ نور کہتے ہیں اور یہ کہ خدا نے ان کو اس نور میں شامل کیا ہے یا تلوار نے یا یہ کہ مجبوری سے مسلمان شدہ لوگوں کے گھروں پیدا ہو کر اسلام کے نور میں شامل ہوئے اور اس شمسول کو الٰہی فعل قرار دیتے ہیں جب تک یہ سب باتیں صاف نہ ہو جائیں ہم کیونکر قائل ہو سکتے ہیں۔ کہ خدا کی خاص مہربانی ان پر ہوئی ہے۔ اور کہ یہ قربت کی ایک صورت ہے۔ پس یہ ولایت عامہ توجہ کے لائق شے نہیں ہے اور اس سے دینِ محمدی کا کچھ جلال ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اور ولایت خاصہ کی جو یہ تعریف کی ہے کہ نسبت غیر چیزوں کے فنا ہونا اور بہ نسبت حق کے خدا میں بقا حاصل کرنا البتہ یہ بات فکر کی ہے کہ یہ کیا ہے؟

یہ بات بہ تبدیل عبارت نفحات میں یوں مرقوم ہے کہ ولی وہ ہے۔ جو اپنے حال کی نسبت فنا ہو جائے اور مشاہدہ حق کی نسبت باقی رہے اور تمام کتب تصوف میں ایسی ہی تعریفیں ولی کی لکھی ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ از خود فنا بخدا رسیدہ شخص ولی ہے۔ لیکن فی الحقیقت ایسا شخص ولی نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ جو اپنے حال کی نسبت فنا ہو جائے وہ تو پاگل یا دیوانہ یا مخبط الحواس ہے۔ پھر مشاہدہ حق کی نسبت باقی رہنا اس کا ثبوت اس شخص کی نسبت کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ از خود رفتگی جو اُس میں ہے وہ حواس میں تاریکی کا نشان ہے اور جب اس میں تاریکی اور خلل ہے تو روح میں خدا سے دوری ثابت ہو گی۔ نہ کہ قربت کیونکہ خدا نور ہے اس کی قربت آدمی کو منور اور روشن کرتی ہے نا کہ پاگل۔

پھر صوفیہ کہتے ہیں کہ ولایت اور نبوت دو حالتیں ہیں باطنی حالت کا نام ولایت ہے اور ظاہری حالت ہدایت خلق کا نام نبوت ہے۔ اس لیے ہر نبی ضرور ولی بھی ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں ہے۔ بعض ولیوں کو نبوت کا عہدہ بھی بخشا گیا ہے۔ وہ ولی نبی کہلاتے ہیں اور بہت ولی ہیں جو نبی نہیں ہیں مگر اندرونی کیفیت ان سب نبیوں اور ولیوں کی یکساں ہیں۔

میں اس بات کو مانتا ہوں کہ در حقیقت ولایت ایک باطنی کیفیت ہے مگر کلام اس میں ہے کہ وہ کس قسم کی کیفیت ہے اور وہ کون سے نشان ہیں جن سے اس کیفیت کو پہچان کر کسی کو ولی قرار دے سکتے ہیں۔ اس کا فیصلہ اب تک صوفیوں سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ تو بھی انہوں نے بعض آدمیوں کو ناحق ولی سمجھ لیا ہے اور ہمیشہ چند احمق آدمی مل کر کسی نہ کسی آدمی کو ولی مشہور کر دیتے ہیں۔ میں نے جہاں تک ان کی کتابوں میں فکر کیا ہے۔ مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ صوفی نہ حقیقی نبی کو پہچانتے ہیں اور نہ ہی حقیقی ولی سے واقف ہیں۔ جس قسم کے لوگ ان میں ظاہر ہوئے ہیں ان ہی کی کیفیت پر غور کر کے انہوں نے نبوت اور ولایت کا بیان کیا ہے۔ **ان کے پاس خدا کا کلام نہیں ہے۔ کہ انہیں روشنی بخشے اور راہ راست دکھلا دے ان کے پاس صرف آدمیوں کے اقوال ہیں اور وہ بھی ناقص اقوال اور قرآن ہے جو انسان کا کلام ہے اور حدیثیں ہیں جو کہ ناکارہ باتیں ہیں نہ ان کے درمیان کوئی نبی برحق ظاہر ہوا اور کوئی سچا دل پیدا ہوا۔ اس لیے وہ غلطی میں پھنسے ہوئے ہیں۔**

معلوم ہو جائے کہ سچا ولی اللہ وہ شخص ہے جو صحیح توبہ اور برحق ایمان کے بعد محبت الٰہی میں ترقی کرتا اور خدا کی مرضی خدا کے کلام سے دریافت کر کے عمل میں لاتا ہے اور خدا کے حکموں کو چمٹا رہتا ہے وہ گناہ کی نسبت فنا اور راستبازی کی نسبت بقا کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ ایسا ہی شخص خدا کا مقرب ہوتا ہے اور نشان قربت جو اولاً خود اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ہیں کہ اس کی روح میں ایک نئی زندگی اور روشنی اور تازگی اللہ کی طرف سے آجاتی ہے اور اس کو حقیقی اطمینان حاصل ہوتا ہے ثانیاً جو نشانِ قربت غیروں پر ظاہر ہوتے ہیں یہ ہیں کہ اس شخص کے افعال اور اقوال اور سب حرکات و سکنات اسی نئی زندگی اور روشنی اور تازگی و اطمینان کے مناسب ظاہر ہوتے ہیں یہ ہیں اس سے لوگ پہچانتے ہیں کہ یہ مردِ خدا ہے۔

اور یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ظاہر ہوں۔البتہ ہو سکتاہے کہ کبھی کوئی کرامت کاکام بھی اگرخداچاہے تواس سے ظاہر ہوجائے اور یہ بھی کچھ ضرورنہیں کہ لوگ اس کے پیچھے دوڑیں یااس کی قبرپرستی کریں یااس کے قدم پکڑے اگروہ ایسے کام لوگوں کو کرنے دے تو وہ خداکاآدمی نہیں ہے۔

ہاں اسکے بعض نیک نمونے اگرچاہیں تولوگ اختیار کر سکتے ہیں اور سوچ سکتے ہیں کہ اس نے خداکی اطاعت اور خدمت کیونکر کی ہم ایسے ہی کریں۔اس نے خداکی طرف دل لگایاہم بھی خداکی طرف دل وجان سے متوجہ ہوں۔خدانے اس پر فضل کیاہم پر بھی فضل کرے گا۔

مسیحی ولیوں کی کیفیت اور محمدی ولیوں کی کیفیت زمین آسمان کافرق ہے۔اگرکوئی محمدی باانصاف اس معاملے پر غور کریں تواسے معلوم ہوجائے گا۔سچے ولی اللہ صرف مسیحیوں میں گزرے ہیں اوراب زندہ موجودہیں۔

۶۔فصل ان صوفی ولیوں کے اختیارات کے بیان میں

صوفیہ کی کتابوں میں ان ولیوں کے بڑے بڑے اختیارات کاذکر ہے جس سے خوب معلوم ہوجاتاہے کہ یہ فرقہ کہاں تک نادان ہے کہ گزشتہ زمانے کے لوگ کہاں تک سادہ لوح تھے جوایسے خیالوں کو مانتے تھے۔اس وقت کوئی دانشمند ایسی باتوں کو ہرگز قبول نہ کرے گا۔انوار العارفین صفحہ ۱۴۱[1] میں لکھاہے کہ (خداتعالی راواولیا اندکہ ایشاندابدوستی وولایت مخصوص گرداینده است ووالیان ملک وے اندکہ یہ بندگی برگزیدہ است ایشاندا ونشانہ اظہارفعل خودگرداینده است وامدا یشاندا والیان عالم گرداینده ازآسمان باران بابرکت اقدام یشان آید)۔اور صفحہ ۱۰۰ کشف المحجوب سے منقول ہے کہ از آسمان باراں بدکت ایشان آبدوازرمین نباتات بصفااحوال ایشان روبدوبدکا فدان مسلمانان نصدت باہمت ایشان یابند)۔ایسے ایسے بیان ان کی کتابوں میں اس کثرت سے ہیں کہ گویاخدانے اپنی ساری خدائی کااختیاران ولیوں کے ہاتھ میں دے رکھاہے اور سارے جہان کابندوبست یہی لوگ کررہے ہیں۔یہ محض غلط اور گمراہی کاخیال جاہلوں کے دل قبروں کے طرف کھینچنے کے لیے کیاخوب ہیں۔

قرآن میں ایسی باتوں کاکچھ ذکر نہیں ہے بلکہ وہاں کل اختیار خداکے ہاتھ میں بتلایاگیاہے اور سب کو ناچار ثابت کیاگیاہے۔صرف صوفیہ کی کتابوں میں ایسی باتیں ہیں ایسی ہی باتوں سے پیر پرستی اور قبرپرستی سے رونق پائی ہے یہاں تک کہ خداپرستی کی جگہ میں پیر پرستی قائم ہوگئی ہے۔ہزاروں مسلمان مرد اور عورت ایسے ہیں کہ اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت نہ کہ خداکو بلکہ پیروں کو پکارتے ہیں۔کشمیر میں ایک گھر کے درمیان آگ لگی تمام اہلِ محلہ مرد اور عورتیں چھاتی پیٹتے اور جلد جلد بولتے تھے۔اے پیر دستگیر بچا۔وہاں ایک عیسائی مرد موجود تھا۔کہااے کم بخت لوگوں! پانی ڈالو پیر صاحب نہیں بچاسکتا بمشکل پانی ڈلوایاتب آگ بجھی۔انصاف کیجئے کہ یہ حقیقی بت پرستی ہے کہ نہیں اور یہ بت پرستی انہیں باطل خیال سے نکلی ہے جو صوفیوں نے ان ولیوں کے اختیار کے بارے میں تصنیف کی ہے۔

[1] http://www.tasavof.ir/books/download/farsi/tazkareh/anvarol-arefin.pdf

میں پوچھتا ہوں کہ یہ محمد صاحب کی تعلیم ہے یا صوفیہ کی اگر محمد صاحب کی تعلیم ہے تو انہوں نے خدا کی عزت آدمیوں کو دی ہے اور پرانے بت ہٹا کر نئی قسم کے بت قائم کیے ہیں اور اگر صرف صوفیہ کی باتیں ہیں تو فرمائیں کہ ایسے خیالات کے شخص محمدی سمجھے جائیں گے یا مشرک پھر ایسے خیالوں کو آدمیوں کو صوفی صاف دل کہو گے یا ناپاک دل کا آدمی سمجھو گے۔ یہ پیر لوگ جو دیہات میں دورہ کرتے اور مرید بڑھاتے پھرتے اور کہتے ہیں کہ ہم خلق اللہ کو ہدایت کرتے ہیں وہ کیا سکھلاتے پھرتے ہیں یہی کہ فلاں پیر صاحب نے فلاں شخص کی یوں مدد کی تھی اور فلاں عورت نے وہاں قبر سے یوں مراد پائی تھی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ سب کچھ خدا سے ہوتا ہے۔

۷۔ فصل مجذوب ولیوں کے بیان میں

صوفی سمجھتے ہیں کہ باعتبار عقل وہوش اور چال چلن کے ولیوں کی تین قسمیں ہیں۔اول مجذوب۔دوئم قلندر۔سوئم سالکین۔

جذب کے معنی ہیں کھینچنا اور مجذوب کے معنی ہیں کھینچا ہوا شخص یعنی دنیا سے ایسا کھینچا گیا کہ دنیا کا کچھ ہوش نہ رہا ننگا پھرتا، بکتا، روتا اور نیک وبد میں تمیز نہیں کرتا جیسے یہ سب پاگل گلیوں میں پھرتے ہیں پاگل خانوں میں قید ہیں۔

لیکن سب پاگلوں کو صوفی لوگ ولی نہیں سمجھتے۔ بعض پاگل ان کے گمان میں مجذوب ہیں۔ جن میں انہیں کچھ قدرت نظر آتی ہے۔ مثلاً ان میں کچھ غیب دانی کی روح ہو یا زنجیروں میں جکڑا جائے اور انہیں توڑ ڈالے یا کسی کے حق کے کچھ بات کہے اور وہ پوری ہو جائے تو ایسے پاگلوں کو مجذوب سمجھتے ہیں اور اعلیٰ درجے کا ولی بتلاتے ہیں لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ مجذبوں سے فیض رسانی کام نہیں ہوتا ہے تو بھی میں نے اپنی گذشتہ عمر میں اکثر شریف محمدیوں کو مجذبوں کے پیچھے بہت سر گرداب دیکھا ہے اور ان کا انجام یہی ہوا کہ پاگلوں کے پیچھے دوڑ کے خود پاگل ہو گئے اور ان کی خانہ خرابیاں ہوئیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ بعض آدمی کسی بیماری کے سبب سے پاگل ہوتے ہیں اور بعض میں کوئی بدروح سما جاتی ہے اور وہ شیطان کے قبضے میں آجاتے ہیں ہم انہیں شیطان کے مقبوض سمجھتے ہیں۔ صوفی انہیں اللہ کے مجذوب کہتے ہیں۔

جناب مسیح کو بھی ایک سخت مجذوب ملا تھا دیکھو (مرقس ۵۔ ۱سے ۱۵) اور پولوس رسول کو بھی ایک لڑکی ملی تھی جس میں غیب دانی کی روح تھی (اعمال ۱۶۔ ۱۶سے ۱۸)۔ اگر صوفیوں کو یہ آدمی ملتے تو کتنے بڑے ولی سمجھے جاتے اور ان کے عالی شان مزارات تک قائم رہتے۔

خوب یاد رہے ایسے لوگ خدا کی طرف مجذوب نہیں ہوتے بلکہ شیطان کی طرف مجذوب ہوتے ہیں اور ان سے جو بعض کرامتیں انکے گمان میں ظاہر ہو جاتیں ہیں اگر فی الحقیقت ہوں تو شیطانی قدرت سے ہوں گی۔

کشش الٰہی تو ایک بڑی چیز ہے جو آدمی کے دل کو خدا کی طرف کھینچتی ہے اور وہ فضل کا نشان ہے۔ مگر جو کوئی سچے خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے وہ زیادہ ہوشیار اور روشن ہوتا ہے وہ خدا اور آدمیوں کے حقوق خوب پہچانتا ہے اور خدا کے حکموں پر مضبوط اور قائم ہو جاتا ہے تاکہ پاگل مجذوب اس بات پر خوب فکر کریں۔

۸۔ فصل قلندروں کے بیان میں

لفظ قلندر کی اصل کلندر یاغلندر ہے معنی کندہ ناتراشیدہ لیکن بول چال میں بے شرع شہدے کو اور بندر یار یچھ نچانے والے کو اور بازی گر کو اور مگرے شہدے ،ہنگڑ چر سی وغیرہ کو بھی قلندر کہتے ہیں جیسے دہلی میں جامع مسجد کے شہدے یا بعض تکیوں میں کونڈی سونٹے لیے ہوئے بعض گنگارے نعرہ زن نظر آتے ہیں اور یا علی مدد بولتے ہیں یہ سب قلندر ہیں۔

صوفی سمجھتے ہیں کہ بعض قلندر ولی اللہ ہیں اور وہ شریر اور لچے نہیں لیکن ان کا مشرب قلندریہ ہے۔وہ عشق باز اور آزاد ہیں۔وہ ہمہ اوست کا دم بھرتے ہیں اور شرع محمدی کے تابع نہیں ہوتے ان میں سے ایک قلندر کا یہ شعر ہے۔

ماز دریائیم دریائیم زماست　　　　این سخن داند کسی کو آشناست

شاہ خضر رومی پہلا قلندر ہے جو روم سے ہندوستان میں آیا تھا۔وہ کسی کا مرید اور چیلانہ تھا کیونکہ قلندر لوگ کسی کے مرید نہیں ہوتے نہ کسی پیر کی پرواہ کرتے ہیں وہ سونٹے باز زبان دراز آزاد نعرہ زن ہوتے ہیں۔صوفیوں کا ان سے دم بند ہوتا ہے۔

جب یہ خضر رومی قلندر دہلی میں آیا تو اس وقت دہلی کے قطب صاحب باوہ فرید کے پیر مرشد زندہ تھے۔اس قلندر نے ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں جائے اور ان کا مرید ہو قطب صاحب نے جب یہ سنا تو مریدی کا شجرہ کلہ اس کے ڈیرے ہی پر بھیج دیا اور دور ہی سے رخصت کیا اس کی آزاد طبع سے ڈر گئے۔

حضرت نعمت اللہ ولی نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ پورا صوفی جب اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے تو تب قلندر ہوتا ہے۔قلندر حق کرتا ہے قلندر کا علم شہود ہے قلندر کا عمل محو ہے قلندر کی راہ عشق ہے۔قلندر کا دین اناہے۔قلندر کی دنیا توحید ہے۔

پھر یہ قلندر لوگ ایک ہی قسم کے نہیں ہیں۔بلکہ کئی ایک قسم کے لوگ ان میں شامل ہیں قلندر یہ ایک مشرب ہی مشرب تصوف سے الگ اسی میں بانوا رسول شاہی مداری نوشاہی وغیرہ قسم کے فقیر شامل ہیں اور سب کے سب ارکانِ اسلام سے الگ رہتے ہیں اور ان میں بعض شریف وخواندہ اشخاص بھی ہوتے ہیں۔مثلاً ایک نجم الدین قلندر ہیں ایک محمود قلندر ہیں لکھنو میں ایک سید غلام محمود قلندر ہیں مراد آباد میں ایک شہباز قلندر ہیں سندھ میں لیکن سب قلندروں میں نامی گرامی شریف الدین بو علی قلندر ہیں۔جن کا اصلی مزار پانی پت میں ہے اور دو نقلی مزار ہیں۔ایک بوڈی کہڑے میں اور دوسرا کرنال میں مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ صاحبِ کرامات تھے۔کتاب سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے کہ یہ شخص صاحبِ علم اور پارسا آدمی تھے اور امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے۔ان کے آباؤ آجداد پانی پت میں رہتے تھے اور خود یہ شخص دہلی میں قطب صاحب کی لاٹھ کے نیچے بیٹھ کر کتابوں کا درس طالب علموں کو دیا کرتے تھے کیونکہ اس زمانے میں دہلی وہاں آباد تھی جب خدا نے ان کو اپنی طرف کھینچا تو تب انہوں نے اپنی سب کتابیں دریا میں پھینک دی اور قلندر ہو کر پانی پت میں چلے آئے۔فارسی میں ان کی ایک مثنوی مشہور ہے اور اس کے مضامین عالی ہیں اور ان کے خیال کی جولانی اور نیت کی پاکیزگی کا اس سے خوب اظہار ہوتا ہے۔مگر وہ کتاب قلندر ہونے سے پہلے کی ہے۔قلندر ہو کر تو وہ بے ہوش سے ہو گئے تھے۔اسلام کو دل سے نکال دیا تھا اور کتابوں کو دریا میں پھینک دیا تھا ناکارہ سمجھ کر لڑکوں پر عاشق ہونے لگے تھے۔ پہلے جلال الدین پر عاشق ہوئے جو مخدوم صاحب ہیں۔پھر مبارز خان پر عاشق ہوئے جن کا مزار ان کے مزار کے اندر ہے۔میں ہرگز ہرگز اس آدمی کی نسبت بدگمان نہیں ہوں مگر سمجھتا ہوں کہ کس قسم کا جنون ہو گیا ہو گا۔

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ صاحب کرامات تھے اگر فی الحقیقت ایسے ہوں تو کیا ان کی کرامتوں سے اسلام کی خوبی ظاہر ہو گی؟ ہر گز نہیں بلکہ یہ ثابت ہو گا کہ جب تک کوئی مسلمان اسلام کو نہ چھوڑے اور اس کی کتابوں کے خیالات کو دل سے نکال کر نہ پھینکے تب تک بابرکت نہیں ہو سکتا اور تصوف کی خوبی بھی ان کی حالت سے ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ صوفی صاحبِ سلوک نہ تھے بلکہ قلندر تھے۔ وہ بحالتِ اسلام خدا کے طالب تھے۔ شاید خدا نے ان پر کسی طرح سے ظاہر کیا ہو کہ اسلام کو چھوڑنا چاہیے۔ تب برکت ملے گی پس انہوں نے فوراً اسلام کو چھوڑا اور ناراض ہو کر کتابوں کو پھینک دیا۔

یہی حال رسول شاہ نامی ایک شخص کا الور میں ہوا جس سے رسول شاہی فرقہ نکلا ہے۔ اس شخص نے دینِ محمدی کو بالکل چھوڑا تب کچھ صاحبِ تاثیر ہوا اور انوار العارفین [1] ۳۰۶ صفحے میں اس کا مصنف کہتا ہے کہ میں اور حاجی عطا حسین جب دہلی میں آکر اس مکان میں اترے یہاں رسول شاہ کی بحالتِ زندگی کی نشست گاہ تھی تو اس مکان کی تاثیر سے ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ ڈاڑھی منڈوانا چاہیے یعنہ اطاعتِ محمدی کے چھوڑنے کا اشارہ ہمارے دلوں میں ہوا پس ہم اس مکان سے توبہ توبہ کر کے بھاگے۔

اسی رسول شاہ کا خلیفہ فدا حسین نامی شاہ عبدالعزیز صاحب کے عہد میں دہلی کے درمیان ایک مشہور بے شرع فقیر تھا۔ محمدی دین کے خلاف تھا مسلمان اسے کافر کہتے تھے۔ انہیں دنوں میں پانی پت کے درمیان ایک مسلمان بزرگ ذی علم سفید ریش متشرع حلیم مزاج حافظِ مانی نام رہتے تھے۔ ان کی مسجد آج تک محلہ افغان میں حافظ مانی کی مسجد مشہور ہے۔ میں عماد الدین لاہز اس وقت چھوٹا لڑکا تھا۔ میں نے بار بار اس بزرگ حافظ کو دیکھا کہ مسجد کی اُس دیوار پر جو شمال مسجد میں سڑک کی طرف ہے بیٹھے ہوئے کسی کتاب کا مطالعہ کیا کرتے اور چپکے چپکے آنسو پونچھا کرتے تھے۔ بڑے ہو کر میں نے سنا کہ مولانا روم کی مثنوی پڑھا کرتے تھے اور اس کے مضامین میں غرق ہو جاتے تھے غرض ان حافظ صاحب کو قرآن کے لفظ (ھوا الظاہر) پر شک پڑ گیا اور کسی طرح ان کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ تسلی کے لیے شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس دہلی میں گئے لیکن تسلی نہ ہوئی۔ آخر اس بے شرع فدا حسین نے کہلا بھیجا کہ اے بابا حافظ ادھر آ جو کچھ مولوی نہیں بتلا سکتے میں بتلاؤں گا تب حافظ صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس نے ان کو ہمہ اوست کی تعلیم دی اور شہودی بنا دیا۔ حافظ صاحب کی تسلی ہو گئی۔ کیونکہ مولوی روم کی مثنوی سے یہ خمیر ذہن میں پختہ ہو رہا تھا تب فدا حسین نے کہا کہ آپ نے اپنا مطلب پالیا اب اپنے گھر کو جائیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ میں جاؤں گا۔ جب تک آپ مجھے اپنا چیلا نہ بنائیں۔ فدا حسین نے کہا کہ یہ سفید دھاڑی اور دین محمدی کی صورت ہمیں بُری معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہمارا چیلا ہونا منظور ہے تو ہمارا طریقہ اختیار کرو حافظ صاحب نے یہ منظور کیا اور عجیب شکل کے آدمی بن کر پانی پت واپس آئے تھے۔ یہاں کے مسلمانوں نے انہیں بہت تنگ کیا۔ لیکن وہ موت تک اسی حال میں رہے اور وہ حجرہ جو مسجد میں کنوئیں کے پاس ہے اسی میں ہمیشہ فقیروں کے لیے بھنگ تیار رہتی تھی۔ مگر حافظ جی نہیں پیتے تھے اور جو کوئی دہلی سے آتا تھا اس کو سجدہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے والد دہلی سے ان کے پاس گئے تو حافظ جی نے ان کو بھی سجدہ کیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ حافظ جی صاحب نے کیا پایا تھا، مگر اتنا جانتا ہوں کہ شرع محمدی کو چھوڑا تھا۔ تب دل میں تسلی آئی تھی۔

اسی طرح بلے شاہ نام پنجاب میں ایک مشہور درویش گزرا ہے۔ وہ بھی محمدی دین کے خلاف بولتا تھا۔ اس کے پاس ایک شخص گیا کہ خدا کی راہ دریافت کرے کیونکہ وہ مشہور ولی تھا اور یہ جو گیا نو مسلم تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ جا کر کہا کہ یا حضرت مجھے خدا کی راہ بتائیں۔ بلے شاہ نے کہا تھا کہ اگر خدا سے ملنا تھا تو مسلمان کیوں ہوا تھا۔ اب اگر مسلمانی کے خیالات کو چھوڑے تو خدا کو پا سکتا ہے اور جو باتیں

[1] http://www.tasavof.ir/books/download/farsi/tazkareh/anvarol-arefin.pdf

بلے شاہ اسلام کی نسبت اس شخص سے کہیں تو میں اپنی اس کتاب میں بیان نہیں کرسکتا۔ تہذیب کے سبب سے ہاں وہ سب باتیں ایک کتاب میں قلمبند ہیں۔ جو دیوان بوٹا سنگھ صاحب کے پاس لاہور میں دیکھی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ سب کے سب قلندریہ مشرب کے ہیں اور انہی لوگوں کی کرامتیں ہندوستان میں زیادہ تر مشہور ہیں اور مسلمان لوگ بے فکری سے ان کو اپنی قوم کے اولیا اقرار دیتے ہیں۔ بالفرض ان سے اگر کوئی کرامتیں ہوئی بھی ہوں تو قلندروں کی کرامتوں سے مشرب قلندریہ کا حق ہونا ثابت ہوگا اور بھنگڑوں کی کرامتوں سے بھنگ نوشی کی شان ظاہر ہوگی نہ اسلام کی۔ پس اب معلوم ہوگیا کہ مجذبوں اور قلندروں کو اسلام سے کچھ علاقہ نہیں ہے صوفی لوگ مہربانی کرکے ان لوگوں کی بزرگی اور کرامتوں کا ذکر ہم مسیحیوں کے سامنے نہ کیا کریں کیونکہ ان کی بزرگی سے اسلام کی خوبی ثابت نہیں ہوسکتی ہاں وہ جو اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں اور سالکین کہلاتے ہیں۔ اگر بوسیلہ اسلام اور بوسیلہ تصوف ان میں کچھ اسلام کی خوبی ہو تو ہمیں دکھلائیں۔

۹۔ فصل سالکین کے بیان میں

لفظ سالکین کے معنی ہیں کہ راہ رونده۔ لیکن صوفیہ کی اصطلاح میں تقربِ حق کے اس طالب کو سالک کہتے ہیں کہ جو عقل و معاش بھی رکھتا ہو۔ لفظ سالک مجذوب کے مقابلے میں ہے۔ کیونکہ مجذوب راہ رونده نہیں ہے۔ نہ وہ مسلمان ہے نہ ہندو ہے نہ صوفی نہ کوئی وہ بیراہ کھینچا ہوا شخص ہے اور اس میں عقل معاش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پاگل ہے۔ سالک با عقل ہے اور قواعد و تصوف پر چلتا ہے۔ اس لیے مجذوب و سالک ہر دو لفظ مقابلے کے ہیں۔

صوفی لوگ **تین چیزوں** کی تلاش کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز جذبہ ہے اور ان میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ کیونکہ یہ ان کے گمان میں خدا کی طرف سے ایک کشش ہے۔ ہم مسیحی بھی اس کشش کو جو اللہ سے ہوتی ہے۔ بڑی نعمت اور فضل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خداوند مسیح نے فرمایا ہے کہ میرا باپ آدمیوں کو میری طرف کھینچ لاتا ہے۔ اسی کشش کو ہم جذبہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے خیال اور ہمارے خیال میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ لوگ دیوانگی کو کشش سمجھتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کششِ الٰہی سے دیوانگی دفع ہوتی ہے۔ روح میں زندگی اور عقل میں ہوشیاری اور خیالات میں روشنی اور دل میں تازگی آتی ہے۔ تب حقوق اللہ اور حقوق العباد وہ شخص پہچانتا ہے اور بجالاتا صوفی سمجھتے ہیں کہ سب حقوق اڑ جاتے ہیں اور قیدِ الٰہی شرع کی نہیں رہتی۔

دوسری چیز جس کی وہ تلاش کرتے ہیں سلوک ہے اور یہ نہ کشش ہے اور بلکہ کوشش ہے جو حصول مراد کے لیے خدا کی راہ میں سالک اپنی طرف سے کرتا ہے۔ یعنی صوفیہ کے تجویز کیے ہوئے طریقوں کو عمل میں لاتا ہے تاکہ وہ خدا کا ولی ہو جائے۔ پس ہر سالک کے گمان میں راہ رونده ہے، جو بھی منزل و مقصود تک نہیں پہنچا جیسے مسافر جو ابھی راہ میں ہے۔

ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں اور واجب جانتے ہیں کہ انسان کو قربتِ الٰہی کے لیے کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔ لیکن ہم میں اور صوفیہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ لوگ انسانی خیال سے تجویز شدہ طریقوں کو عمل میں لا کر خدا سے ملنا چاہتے ہیں اور ہم مسیحی لوگ ان طریقوں کو اس

مطلب پر مفید سمجھتے ہیں جو خدا نے آپ اپنے کلام میں اپنے پیغمبروں کے ذریعے ظاہر کیا ہے اور اپنی قدرتوں سے ان پر گواہی دی ہے۔ پس ان کا سلوک وہ ہے۔ ہمارا سلوک یہ ہے۔

تیسری چیز جس کی وہ تلاش میں ہیں **عروج** ہے۔ یعنی وصول بمنزلہ مقصود اس کو وہ لوگ خدا کی بخشش بھی کہتے ہیں۔ کہ خدا اس سالک کو کوئی رتبہ یا ولایت کا کوئی درجہ بخشتا ہے۔ مثلاً کوئی قطب ہو گیا یا غوث بن گیا یا شاہ ولایت ہو گیا وغیرہ۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے عہدے اور درجے خدا نے آدمیوں کو کبھی نہیں بخشے یہ صرف فرضی باتیں ہیں۔ اگر ان میں کچھ عروج ہے تو یہی ہے کہ اکثر جاہل لوگ کسی کو بڑا مرتاض دیکھ کر اس کے گرد ہو جاتے ہیں اور برملا پیر سمجھتے ہیں اور اس کی قبر چونے یا سنگِ مرمر کی بناتے اور برج کھڑا کرتے ہیں اور ڈھول بجا کر سال بسال میلہ لگاتے ہیں اور تماشہ دکھلاتے ہیں۔ یہی عروج ان کے پاس ہے اور ہمیں ان میں کچھ عروج نظر نہیں آتا بلکہ عروج کے عوض بہت سا نزول وہاں ہے۔

حقیقی عروج جو حقیقی ولیوں کو اللہ سے بخشا جاتا ہے۔ یہ ہے اطمینان الٰہی ان کی روح میں اللہ سے القا ہوتا ہے اور وہ محبت الٰہی سے اللہ کی طرف سے بھر جاتے ہیں اور معرفت کے اسرار زیادہ تر ان پر منکشف ہوتے ہیں اور کبھی کبھی وہ لوگ کلام اللہ کی خدمت کے لیے مومنین کے درمیان اعلیٰ عہدوں پر خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں اور وہ خوبی کے ساتھ جانفشانی اور جفاکشی کر کے کلام اللہ کی خدمت کرتے ہیں اور کمزوروں کو طاقت بخشتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو بہشت کے لیے آراستہ کرتے کر ڈالتے ہیں آخر میں ابد تک وہ خدا کے پاس کے خوشی میں زندہ رہیں گے۔ پس ان کے اور ہمارے عروج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں کچھ ہے جو اوپر سے ان کے دلوں میں آتا وہاں کچھ ہے جو اِدھر اُدھر کے آدمیوں سے دیا جاتا ہے ایک چیز ابدی ہے دوسری فانی۔

پھر صوفیہ یوں کہتے ہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنی طرف کھینچتا ہے وہ سب کچھ چھوڑتا اور عشقِ الٰہی کے رتبہ میں پہنچتا ہے اگر وہ اسی جگہ میں رہ جائے اور دنیا میں واپس نہ آئے یعنی اس کے ہوش و حواس پھر درست نہ ہو ویسے ہی بے ہوش رہے وہ (صرف مجذوب ہے) اگر وہ پھر ہوش میں آجائے اور سالک بن بیٹھے اس کو (مجذوب سالک) کہتے ہیں اور وہ جو اولاً سالک تھا اور مراتب سلوک عطا کر چکا تھا پھر وہ خدا سے کھینچا گیا اس کا نام (سالک مجذوب) ہے اور اگر سالک ہو اور سلوک تمام نہ کیا ہو اور خدا نے بھی اسے اب تک نہ کھینچا ہو۔ (وہ صرف سالک) ہے پس یہ صرف چار قسم ،کے لوگ ہیں۔ مجذوب۔ مجذوب سالک سالک مجذوب۔ سالک۔

اب وہ جو صرف سالک ہے اور وہ جو مجذوب ہے یہ دونوں ان کے گمان میں پیر و مرشد ہونے کے لائق نہیں ہے مگر وہ جو مجذوب سالک ہے اور جو سالک مجذوب ہے وہی پیر و مرشد ہونے کے لائق سمجھے گئے ہیں اور ان میں بھی مجذوب سالک کا درجہ بڑا ہے۔

(ف) یہ جو محمدی لوگ پیروں کے مرید ہوتے پھرتے ہیں اکثر سالکوں کے مرید ہوتے ہیں یا بعض مجذوبوں کے معتقد ہوتے ہیں۔ ان کا کام تصوف کے خلاف اور بے فائدہ ہے کیونکہ پیری کے لائق وہی اشخاص سمجھے گئے ہیں جنہوں نے اولاً یا آخراً کچھ جذب کی چاشنی چکھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر دماغی خلل کے کوئی صوفی پیر مرشد ہونے کے لائق نہیں ہے اور قواعد و سلوک جن کا ذکر اسی کتاب میں مفصل آنے والا ہے۔ ناظرین دیکھ کر معلوم کر سکیں گے کہ ہو سب دماغی خلل پیدا کرنے کے نسخے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا مگر صرف دماغی خلل تاکہ وہ پیر کامل ہو جائیں۔

ہمارا پیر ومرشد صرف ایک ہے جو آسمان سے اترا اور ازل سے خدا کے ساتھ تھا جس نے سارے جہان کو پیدا کیا جو کہ کامل خدا اور کامل انسان ہے اور وہ جہان کا نور ہے ہر ایک کہ جو اس کے پاس آتا ہے وہ روشن کرتا ہے۔یعنی یسوع مسیح ابن اللہ اور ہم سب مومنین اولین اور آخرین آپس میں پیر بھائی ہیں اور جس قدر سچے پیغمبر دنیا میں آئے وہ سب ہمارے بھائی تھے اور وہ اور ہم خداوند مسیح کے بندے اور خدمت گزار ہیں ہمیں کچھ حاجت نہیں کہ پیر تلاش کریں اور کسی خفیہ نعمت کے ہم بھوکے نہیں جو سینہ بسینہ پیروں سے ہم تک پہنچے خدا ہمارا باپ ہے اور ہم مسیح میں ہو کر اس کے فرزند ہیں اس کی روح ہم میں موثر ہے ہم نور میں اور روشنی میں رہتے ہیں اور برائے راست مسیح سے نعمتیں پاتے اور خوش رہتے ہیں۔

۱۰۔فصل ان ولیوں کے عہدوں کے نام بحسب اختیارات

صوفی سمجھتے ہیں کہ ان کے اولیا اللہ بحسب اپنے عہدوں اور درجوں دس قسم کے لوگ ہیں۔(۱) قطب العالم (۲) دیگر اقطاب یعنی قطب اقلیم قطب ملک جس کو شاہ ولایت بھی کہتے ہیں اور قطب شہر وغیرہ(۳)امامان (۴)اوتاد(۵)ابدال(۶)اخیار وابرار(۷)نقباء ونجبا(۸)عمداء(۹)مکتومان (۱۰)مفردان ، مجردان۔اب ان عہدوں اور درجوں کی شرع اور تفصیل جہاں تک کتب تصوف مجھے معلوم ہوئی بیان کرتا ہوں۔

(۱)قطب العالم

لفظ قطب کے معنی ہیں کہ چکی کی کیلی یعنی وہ لوہے کی میخ جس کے گرد اور جس کے سہارے سے اوپر کا پاٹ گھومتا ہے۔صوفی کہتے ہیں کہ دنیا کے درمیان ایک آدمی ہر زمانے میں ایسا ہوتا ہے کہ اس پر خدا کی ایک خاص نگاہ ہوتی ہے۔گویا وہ خدا کی نگاہ کا محل ہوتا ہے اور سارے جہان کا انتظام اسی آدمی سے ہوتا ہے وہ سب موجودات پر اور عالم سفلی وعلوی کے تمام مخلوقات پر حاکم اعلیٰ ہوتا ہے اور سب اولیاء اللہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں اسی کا نام قطب العالم ہے اور اسی کو قطب الاقطاب وقطب وکبیر وقطب ارشاد قطب مدار بھی کہتے ہیں۔کتاب مجمع السلوک میں لکھا ہے کہ اسی کا نام غوث ہے لیکن دوسری بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ غوث اور شخص ہے جو قطب العالم کے نیچے ہوتا ہے۔مراۃ الاسرار وغیرہ میں لکھا ہے کہ قطب العالم کے دائیں بائیں دو ولی اللہ مثل وزیروں کے رہتے ہیں،ان دونوں کا نام غوث ہے یعنی فریادرس وہ غوث جو قطب العالم کے دہنی طرف رہتا ہے اس کا خطاب عبدالملک ہے اور کام اس کا یہ ہے کہ قطب العالم کے دل پر سے فیض اٹھا کر عالمِ بالا کی موجودات کو پہنچاتا ہے اور وہ غوث جو بائیں طرف رہتا ہے اس کا خطاب عبدالرب ہے کام اس کا یہ ہے کہ قطب العالم کے دل پر سے فیض اٹھا کر عالمِ سفلی یعنی اس جہان کی موجودات کو پہنچاتا ہے اور جب قطب العالم مر جاتا ہے یا اپنے عہدے سے ترقی کر کے قطبِ وحدت ہو جاتا ہے یعنی خدا میں اس کو دوری نہیں رہتی ہے تب اس کا عہدہ خالی ہوتا ہے اور عبدالملک اس کی جگہ میں آجاتا ہے اور عبدالرب عبدالملک کی جگہ میں آجاتا ہے اور عبدالرب کی جگہ کوئی اور ولی ترقی پا کر بھرتی ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قطب العالم کا دل ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسا محمد صاحب کا دل تھا۔یعنی تمام خصلتیں اس کی محمدی خصلتیں ہوتی ہیں۔کتاب لطائف اشرفی[1] میں لکھا ہے کہ اگر غوث اور قطب نہ ہوں تمام جہان زیر زبر ہو جائے پس معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ جہان کے سنبھالنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صوفیہ کا دعوی ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ہر دعوے کے لیے کچھ دلیل ہونی چاہیے ورنہ دعویٰ باطل ہو گا۔پس اس دعوے کے لیے کتب تصوف میں کوئی دلیل نظر نہیں آئی جس کا میں یہاں بیان کروں۔چاہئے کہ ناظرین کتاب ہذا صوفیوں سے اس دعوے کا ثبوت طلب کریں اوران سے کہیں کہ تم جو قرآن پر ایمان رکھتے ہو کیا تمہارے خدا نے تمہارے قرآن میں ایسے عہدوں کی تمہیں کچھ خبر دی ہے یا تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ان عہدوں کے ثبوت میں ہے، یاتم دنیا کی تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہو،ان عہدوں کے اشخاص اس دنیا میں ہوتے آئے ہیں؟ یا تم بتلا سکتے ہو کہ دنیا میں اس وقت ایسے ایسے فلاں اشخاص موجود ہیں۔برخلاف اس کے صوفی یوں کہتے ہیں کہ ایسے اشخاص ہوتے تو ہیں مگر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے کہ وہ کون ہیں اور کہاں ہیں۔اب فرمائیں کہ اس بات کو سوائے ناسمجھ آدمی کے کون قبول کرے گا۔

جہان کو سنبھالنا اسی کا کام ہے جس نے جہان کو پیدا کیا ہے۔انسان میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ اپنی جان کو سنبھالے۔اگر خدا آدمی کو نہ سنبھالے تو آدمی قائم نہیں رہ سکتا۔اگر آدمی فرضاً خدا کے برابر ہو جائے علم اور طاقت میں اور حکمت و دوربینی میں تب وہ شاید خدا کا شریک جہان کو سنبھال سکتا ہے لیکن یہ بات عقلاً نقلاً محال ہے کہ کوئی مخلوق خدا کے برابر ہو جائے اور جب برابر نہیں ہو سکتا تو وہ کام بھی نہیں کر سکتا جو خدا کے کرنے کا ہے۔

غوث اور قطب عالم کا عہدہ اتنا بڑا بیان ہوا ہے کہ قرآن اور حدیث سے محمد صاحب کا بھی اتنا بڑا عہدہ ثابت نہیں ہوا۔پس یہ کیسا مبالغہ ان صوفیوں کا ہے اور ایسا خیال ان کے دلوں میں کہاں سے آگیا؟ شاید قوم صوفہ میں یغوث بت کی شان کا خیال چلا آیا ہو اور حالتِ اسلام میں اس مکروہ خیال نے نئی شکل پکڑ کر یہ غوث قطب کا خیال پیدا کر دیا ہو واللہ علم۔

ہم مسیحی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ کل جہان کا اختیار خداوند مسیح کے ہاتھ میں اور ابد تک اسی کے ہاتھ میں رہے گا۔یہ ہمارا دعویٰ کلام اللہ سے ثابت ہے اور مسیح کی شان کے مناسب ہے کیونکہ وہ اللہ انسان ہے اور سب جہان اس سے پیدا ہوا ہے پس وہ جو سارے جہان کا خالق ہے وہی جہان کو سنبھالتا بھی ہے۔

(۲) دیگر اقطاب یعنی دوازدہ اقطاب

قطب العالم تو کل جہان میں ایک شخص فرض کیا گیا پھر اس کے نیچے بارہ قطب اور مانے جاتے ہیں۔جو اس کے حکم میں رہتے ہیں۔کیا تعجب ہے کہ یہ خیال قدیم صوفیہ نے خداوند یسوع مسیح اور اس کے بارہ شاگردوں پر غور کرکے اپنے ولیوں کی طرف الٹ لیا ہو۔وہ کہتے ہیں کہ کل زمین ہفت اقلیم میں منقسم ہے اور ہر اقلیم میں ایک قطب رہتا ہے جس کو قطب اقلیم کہتے ہیں۔پھر ہر ولایت میں ایک قطب فرض کرتے ہیں۔جس کو شاہِ ولایت کہتے ہیں اور پانچ ولایتیں بتلاتے ہیں۔یہ پرانے زمانے کی تقسیم ہے۔پس سات اور پانچ بارہ قطب ہوئے۔

[1] http://ia902701.us.archive.org/13/items/Lataef-e-ashrafi-Farsi/00440_Lataef-e-Ashrafi-1-fa.pdf

فتوحاتِ مکی[1] میں لکھا ہے کہ قطبوں کی کچھ نہایت نہیں ہے قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفا، قطب متوکلان وغیرہ۔ ہر صفت پر ایک قطب ہوتا ہے اور ہر گاؤں میں ایک قطب رہتا ہے اور گاؤں کی حفاظت کرتا ہے اور ولیوں کی بھی انتہا نہیں ہے۔ جب کوئی ولی ترقی کرتا ہے تو وہ قطب ولایت بن جاتا ہے۔ پھر ترقی کر کے قطب اقلیم ہوتا ہے۔ اسی کو قطب ابدال کہتے ہیں اور وہ ترقی کر کے عبدالرب یا بایان غوث ہو جاتا ہے۔ پھر دہنا غوث یا عبدالملک بنتا ہے۔ پھر قطب عالم ہوتا ہے اور وہاں سے ترقی کر کے قطب وحدت ہوتا ہے انہیں کو مفردون اور مجردون کہتے ہیں لیکن یہ صرف صوفیہ کی تجویز ہے اس کا ثبوت تو کچھ نہیں ہے بلکہ دعوے بے دلیل ہے۔ اور اس روشنی کے زمانے میں اس کا بطلان ظاہر ہو گیا اور معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہ ان کی وہمی اور فرضی بات تھی۔ خدا نے ایسے غوث اور قطب وغیرہ کچھ نہیں بنائے۔ البتہ بعض لوگ خود نیک اور خدا پرست گزرے ہیں۔ ان کی موت کے بعد مریدوں نے ان کی قبروں پر دکان داری جاری کرنے کے لیے ان کے نام غوث اور قطب اور شاہ ولایت اور مخدوم صاحب رکھ لیے ہیں اور مذکورہ عہدے فرض کیے ہیں۔ پھر آپ ہی کہتے ہیں کہ ان عہدے داروں کی موت کے بعد دوسرے لوگ ان عہدوں پر مقرر ہوتے ہیں۔ پس چاہئے کہ ان مردگان کو ان عہدوں سے برخاست شدہ سمجھ کر ان کی قبریں نہ پوجیں۔ بلکہ ان زندوں کو تلاش کریں جو بجائے ان کے عہدہ یاب ہوئے ہیں۔

(۳) اوتاد

لفظ اوتاد وتَد یا وِتَد کی جمع ہے۔ لکڑی کی کھونٹے کو عربی میں وتَد کہتے ہیں محمد صاحب نے پہاڑوں کو قرآن میں اوتاد کہا ہے۔ گویا وہ خدا کی طرف سے زمین پر گاڑے ہوئے کھونٹے ہیں۔ تاکہ زمین جنبش نہ کرے صوفی کہتے ہیں کہ ہمارے ولیوں میں سے چار ولی ایسے ہیں کہ وہی اوتاد ہیں۔ مراۃ الاسرار[2] میں لکھا ہے کہ مشرق میں عبدالرحمٰن کھوٹا ہے۔ مغرب میں عبدالودود کھوٹا ہے۔ جنوب میں عبدالرحیم کھوٹا ہے۔ شمال میں عبدالقدوس کھوٹا ہے۔ ان چار اشخاص سے جہان کا استحکام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جہان کا استحکام صرف خدا کی قدرت سے ہے نہ کہ ان چار اوتاد سے جن کا ثبوت نہ عقل سے ہے نہ کلام اللہ سے۔

(۴) ابدال

لفظ بدل بامعنی معاوضہ یا بُدیل بمعنی شریف کے جمع ابدال ہے۔ لیکن اس کا استعمال واحد اور جمع پر برابر ہے بعض صوفی کہتے ہیں کہ ابدال وہ لوگ ہیں جنہوں نے تبدیلی حاصل کی ہے بُری صفتوں میں سے نکلے ہیں اچھی صفتیں پیدا کی ہیں یہی مضمون سچ ہے اور یہ انجیل شریف کی بات ہے نہ کہ قرآن کی کیونکہ انجیل کی بڑی اور مقدم تعلیم یہی ہے کہ مسیحی ایماندار مسیح کی قدرت سے تبدیلِ دل اور تبدیلِ مزاج کرتا ہے اور جتنے سچے مسیحی ہیں وہ سب ابدال ہیں اور اہلِ دنیا بھی اگر غور سے دیکھیں تو انہیں حقیقی مسیحی بدلے ہوئے نظر آسکتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال ان صوفیہ میں ملک شام سے آیا ہے۔ اس لیے ان کی کتابوں میں عراق اور شام کی طرف بہت ابدال بیان ہوئے ہیں کیونکہ وہاں رُہبان بکثرت رہتے ہیں۔

---

[1] https://archive.org/details/FTMAKIA

[2] https://archive.org/details/Mir-atUl-israr-UrduTranslation

(انورالعارفین صفحہ ۱۰۵) میں لکھا ہے کہ نشان ابدال آنست کہ زائدہ نمیشو مـــر دایشان رااولاد و ایشان لعنت نمیکنندِ چیــزیرہ کسی چیز پر لعنت نہ کرنا یہ خاصہ صرف مسیحی آدمی کا ہے اور اولاد پیدا نہ ہونا یہ خاصہ رہبان کا ہے۔کیونکہ رہبان نکاح نہیں کرتے اور اگر شادی والے پہلے سے ہوں تو وہ دونوں مرد عورت اس دنیاوی خیال سے الگ ہو کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں اس لیے ان کی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔پس صوفی کہتے ہیں کہ خدا نے ابدال کو وہ طاقت دی ہے کہ جہاں چاہیں اڑ کر چلے جائیں اور اپنی مثالی صورت اس جہاں پر چھوڑ جائے بلکہ بعض اوقات گیڈر یا شیر یا بلی وغیرہ کی صورت بھی بن جاتے ہیں۔یہ سب باتیں غلط ہیں۔ابدال وہی مسیحی ہیں جو بدل گئے ہیں جنہوں نے نیا جنم پایا ہے۔اگر کوئی صوفی ابدال بننا چاہے تو حقیقی مسیحی ہو جائے۔

صوفیوں کا تصوف اور محمدیوں کا اسلام اور کل مذاہب دنیا کے خیالات عبادات وغیرہ سے کوئی آدمی دل کی تبدیلی حاصل نہیں کر سکتا اور جب تک اس کا دل تبدیل نہ ہو جائے خدا کا مقرب بھی نہیں سکتا۔صرف مسیحی دین ہے جس سے تبدیلی ہوتی ہے اور آدمی ابدال بن جاتا ہے۔

(۵)اخیار وابر

یہ لفظ خیر اور بر کی جمع ہے۔بمعنی نیکو کاران فی الحقیقت یہ الفاظ سچے ایمانداروں اور نیکوکاروں کے حق میں تھے۔لیکن صوفیوں نے زبردستی یا نادانی سے اپنے خاص قسم کے ولیوں کے حق میں تجویز کر لیے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین سو آدمی ایسے ہوتے ہیں اور کچھ بیان ان کا نہیں کر سکتے۔

(۶)امامان

یعنی دین کے پیشوا ایسے لوگ البتہ محمدیوں میں ہوئے ہیں۔جنہوں نے ان کے دین کا بندوبست ظاہری طور پر کیا ہے۔لیکن ان عہدوں کو ولایت سے کہ امر باطنی ہے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ان کے امام تین قسم کے ہیں۔اول بارہ امام ہیں۔جو حضرت علی کی اولاد میں سے ہوئے ہیں۔جن کو شعیہ لوگ معصوم بتاتے ہیں اور اپنے دین کا پیشوا سمجھتے ہیں۔دوئم چار امام سنیوں کی فقہ کے گزرے ہیں۔جنہوں نے مسائلِ فقہ اپنے اجتہاد سے نکالے ہیں۔سوئم وہ امام ہیں۔جو کہ جہاد کے وقت محمدی فوج کے سردار یا سپہ سالار ہوتے تھے۔بعض ان میں سے جہادوں میں مر گئے ہیں اور ان کے مقبرے پوجے جاتے ہیں۔چنانچہ دو امام ہمارے پانی پت میں بھی پوجے جاتے ہیں۔پس ان صوفیہ نے اپنے ولیوں کی فہرست میں ان اماموں کو بھی شامل کیا ہے تاکہ امام پر ظاہر کریں۔وہ بھی ان کی طرف تھے۔

کتاب اصطلاحات صوفیہ مصنفہ عبدالرزاق کاشی[1] میں لکھا ہے کہ امامان وہ دو شخاص ہیں جو قطب عالم کے داہنے اور بائیں رہتے ہیں۔یہی قدیم اصطلاح صوفیہ کی معلوم ہوتی ہے۔اس صورت میں وہ تین قسم کے امام ولیوں کی فہرست میں نہیں آسکتے اور یہ امامان غیر معلوم شخص ہوتے ہیں۔پس یہ صرف نام ہی نام ہے اور کچھ نہیں ہے۔

---

[1] http://www.tasavof.ir/books/download/arabic/kashani/mojam-estelahat.pdf

(۷) نُقبَا و نُجبَا

نُقبا نقیب کی جمع ہے بمعنی مہتر و عریف و دانندہ انساب مردم شرح فصوص[1] میں لکھا ہے کہ نُقبا تین سو اشخاص ہیں انہیں کو ابرار بھی کہتے ہیں اور یہ لوگ مغرب میں رہتے ہیں اور سب ولیوں میں ان کا درجہ چھوٹا ہے۔

نجبا نجیب کی جمع ہے بعنی بر گزیدہ۔ شرح فصوص میں ہے کہ نجبا سات آدمی ہیں۔ انہیں کو رجال الغیب کہتے ہیں۔ مجمع السلوک میں لکھا ہے کہ وہ چالیس آدمی ہیں اور خلق اللہ کے حقوق میں متصرف ہیں۔ آدمیوں کے حالات درست کرنے اور ان کے بوجھ اٹھانے کو کھڑے رہتے ہیں۔

(ف) یہی چالیس آدمی ہیں جو چہل تن کہلاتے ہیں اور بعض آدمیوں کے سر پر بھی آتے ہیں۔ ان کی پوجا نادان مسلمانوں میں بہت ہوتی ہے۔ ایک محمدی منشی صاحب کو میں نے ۳۰ برس دیکھا کہ اپنی مصیبتوں میں برابر چہل تن کو پکارتے رہے اور ان کی نذر نیاز کرتے رہے تاکہ ان کی دنیاوی تنگیاں دفع ہوں۔ لیکن کچھ تنگیاں تمام عمر دفع نہ ہوئیں۔ بلکہ تنگی پر تنگی آتی رہی اور وہ اسی خیال میں مر گئے اور بعض احمق عورتوں کو اپنا برا خیال سکھلا گئے۔ وہ اب تک ان چہل تن کو پکارتی ہیں۔ جس کا وجود کہیں نہیں ہے۔ وہ اللہ کو نہیں پکارتی ہیں جو کہ سب کچھ کر سکتا ہے اور زندہ موجود ہے۔

(۸) عُمَدا

عمود کی جمع ہے بمعنی ستون خانہ۔ صوفی کہتے ہیں کہ ایسے چار شخص ہیں جو زمین کے چار کونوں میں رہتے ہیں وہ جہان کے ستون ہیں اُن سے جہان ایسا قائم ہے جیسے چھت ستون سے قائم ہوتی ہے۔ لیکن کچھ ثبوت نہیں دے سکتے کہ وہ کون ہیں اور کہاں ہیں۔

مکتوم بمعنی پوشیدہ یہ پوشیدہ ولی ہیں۔ گویا چھپے رستم ہیں۔ توضیح المذاہب میں لکھا ہے کہ یہ چار ہزار آدمی ہیں۔ جو پوشیدہ رہتے ہیں اور اہلِ تصرف میں سے نہیں ہیں۔ کوئی ان صوفیہ سے پوچھے کہ تمہارے تو سارے ولی پوشیدہ ہیں۔ تم خود انہیں جانتے کہ وہ کون ہیں اور کہاں ہیں پھر ان خاص کو مکتومان کہنے کی وجہ کیا ہے کچھ نہیں جو دل میں آیا کہہ دیا۔

(۹) مکتومان

مکتوم بمعنی پوشیدہ یہ پوشیدہ ولی ہیں گویا چھپے رستم ہیں۔ توضیح المذاہب میں لکھا ہے کہ یہ چار ہزار آدمی ہیں۔ جو پوشیدہ رہتے ہیں اور اہلِ تصرف میں سے نہیں ہیں۔ کوئی ان صوفیہ سے پوچھے کہ تمہارے تو سارے ولی پوشیدہ ہیں۔ تم خود انہیں نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں اور کہاں ہیں پھر ان خاص کو مکتومان کہنے کی وجہ کیا ہے کچھ نہیں جو دل میں آیا کہہ دیا۔

[1] http://www.tasavof.ir/books/download/arabic/kashani/Qashany_fusus[1].pdf

(۱۰) مفردون ومجردون

مفرد و مجرد وہ ہے جو اکیلا رہ گیا ہو۔ صوفی کہتے ہیں کہ مفرد و مجرد وہ ہے جو فردیت کی تجلی کو پہنچا ہے۔ یعنی اس مقام کو پہنچا ہے۔ جہاں صرف اللہ ہی اللہ ہے اور سب چیزیں اور سب خیالات نیست و نابود ہیں۔ جو لوگ اس مقام کو پہنچتے ہیں وہ خود کو بھول جاتے ہیں۔ اپنے میں اور خدا میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ یہ مقام محویت ہے یا ہمہ اوست کا کامل انکشاف یہاں ہوتا ہے۔ کسی صوفی نے اس مقام کی شرح اس شعر میں کی ہے۔

توز توکم شوکہ تفرید این بود کم ازان کم کن تجرید این بود

کشف اللغات میں لکھا ہے کہ جو لوگ اس مقام کو پہنچتے ہیں وہ قطب کے نظام سے فارغ ہو جاتے ہیں مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کی کچھ تعداد نہیں ہے۔ اور اکثر صوفی مصنف کہتے ہیں کہ محمد صاحب بھی دعوے نبوت سے پہلے مفردوں میں سے تھے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ صوفی لوگ حضرت محمد صاحب کی نسبت ہمہ اوست کا خیال جماتے ہیں۔ مگر اب زیادہ ترکتبِ تصوف کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ شاید اس بارے میں صوفی لوگ سچے ہوں۔ کیونکہ ہمہ اوست کا ذائقہ البتہ محمد صاحب کے خیال میں کچھ معلوم ہوتا ہے۔ غالباً وہ ضرور مفردوں سے ہوں گے۔ کیونکہ جس شخص کے خیالات میں آسمانی روشنی کچھ بھی نہیں چمکی ہے وہ اسی ہمہ اوست کے خیال میں اپنے لیے کچھ تسلی تلاش کرتا ہے۔ لفظ ظاہر قرآن میں غالباً اسی مطلب پر ہوگا۔

۱۱۔ فصل صوفی ولیوں کی مشابہت بانبیاء کے بیان میں

کتب صوفیہ میں دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے ولیوں کو خدا کے سچے نبیوں کے مشابہ بیان کرتے ہیں۔ کسی کو کہتے ہیں کہ وہو علی قلب موسیٰ اور کسی کو کہتے ہیں کہ وہو علی قلب عیسیٰ اور کسی کو علی قلب داؤد بتلاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب میں نے اس مضمون پر ان کا زور دیکھا اور ان کی اصطلاحات سے معلوم کیا کہ علی قلب معنی مشابہت کے ہیں۔ یعنی خو خصلت اور اندرونی کیفیت اور نسبت و علاقہ بخدا اُس ولی کا ایسا ہے کہ جیسا فلاں پیغمبر کا تھا اور قطب عالم کی نسبت کہتے ہیں کہ وہو علے قلب محمد یہ تو میں مانتا ہوں علی قلب محمد مسلمان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مقتدی ہیں اور خصلت کی پیروی میں ساعی رہتے ہیں۔ لیکن سچے پیغمبروں کے مشابہ یہ لوگ کیونکر ہو سکتے ہیں یہ افترائی مضمون ہے اور تاریکی کے زمانے میں سادہ لوگوں کو فریب دینے کے لیے خوب تھا۔ مگر اب روشنی کا زمانہ آگیا ہے اب ہم اس بات کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ گزشتہ پیغمبروں کی کتابیں موجود ہیں اور یہود و انصاریٰ ان کی امتیں بھی حاضر ہیں۔ اور ان پیغمبروں کا مزاج اور خصلت اور ایمان وغیرہ کی کیفیت ان کتابوں میں مرقوم ہے اور صوفی ولیوں کی خو خصلت ان کے تذکروں میں مرقوم ہے۔ پس مقابلہ کرکے دیکھو کہ کس قدر فرق ہے۔ ایسا فرق ہے جیسا جاہل اور عالم میں یا مومن یا غیر مومن میں ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا تو بجا ہے کہ یہ اولیا لوگ پیغمبروں کے مخالف ہیں۔ اور یہ کہنا بیجا ہے کہ وہ ان کے مشابہ ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ بھی غنیمت ہے کہ ان پیغمبروں کو بڑا بزرگ تو سمجھتے ہیں۔ کہ اپنے ولیوں کو ان کے مشابہ بتا کر فروغ دینا چاہتے ہیں۔ کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ میں اپنے مزاج میں محمد صاحب کا ہم شکل ہو جاؤں تو وہ اپنے ظاہر اور باطن کو قرآن اور حدیث کے مطابق بنا دے۔

اور اگر کوئی چاہے کہ میں پیغمبروں کا ہم شکل ہو جاؤں تو چاہیے کہ وہ **بائبل کی تعلیم** کے مطابق خود کو سنوارے۔ صوفی صاحب نہ تو محض قرآن کے تابع ہیں نہ بائبل کے۔ وہ تو ویدوں اور بت پرست یونانیوں کے خیالات کے تابع ہیں۔ پھر وہ کیونکر نبیوں کے ہم شکل ہو سکتے ہیں؟ یہ تو وہی بات ہے کہ رہیں جھوپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کے۔ یا وہ بات ہے کہ گرگ گو سفندون کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چاہیے کہ ناظرین کتاب ہذا صوفیوں سے یوں کہیں کہ اے صاحبو! انبیا کی خصلت تو الگ رہی پہلے یہ تو ثابت کر دو ان ولیوں میں وہی ایمان تھا جو نبیوں میں تھا؟ نبیوں کا ایمان کچھ اور ہے اور ان کا ایمان کچھ اور ہے۔ کون سا نبی ہمہ اوست کا قائل تھا؟ بتلاؤ۔ اس طرح ان کی تعلیم اور چال چلن میں فرق ہے۔ پس تم نے مخالفت کا نام مشابہت کیوں رکھا ہے۔ کیا خدا سے نہیں ڈرتے؟

۱۲۔ فصل تقسیم عالم یا مقامات عالم کے بیان میں

صوفی لوگ جہان کو چار حصوں یا مقاموں میں تقسیم کرتے ہیں اور ان مقاموں کے نام یوں رکھے ہیں۔ اول ناسوت۔ دوئم جبروت۔ سوئم ملکوت۔ چہارم لاہوت۔

ناسوت عالم اجسام یعنی اس دنیا کو کہتے ہیں۔ جبروت صفات الہیہ کی عظمت و جلال کے مقام کو کہتے ہیں۔ ملکوت عالم فرشتگان یا عالم ارواح و عالم غیب و عالم اسماء کا نام بتلاتے ہیں۔ لاہوت ذاتِ الٰہی کا عالم ہے۔ جہاں جا کر سالک فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ یعنی مفرد و مجرد ہوتا ہے۔

مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ مفردون ہمیشہ مقام لاہوت میں رہتے ہیں۔ اور لفظ مقام اس جگہ مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ لاہوت کوئی مقام نہیں وہاں جہات ستہ نہیں ہیں۔ وہ تو صرف ذاتِ الٰہی کا نام ہے۔ اس کے نیچے جبروت کا مقام ہے۔ یعنی جبر و کسر کا مقام اور اس جگہ سے شش جہت کا انتظام شروع ہوتا ہے معجزات و تصرفات اور تیر امیر بولنا اور یہ اور وہ کا لفظ یہاں استعمال ہوتا ہے اور یہ خدا کے تخت کا مقام ہے۔ اور اس جگہ سے لے کر زمین کی خاک تک قطب عالم کا تصرف مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لاہوت میں جبروت کا خیال کفر ہے۔ وہ لوگ جو لاہوت میں پہنچتے ہیں مقام جبروت میں واپس آکر معجزات وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اور اس وقت وہ لوگ لاہوت سے گرے ہوتے ہیں۔

عبدالرزاق کاشی سے منقول ہے کہ لاہوت صوفیہ کے نزدیک وہ حیات ہے جو تمام اشیا میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اور مقام ناسوت اور روحِ انسانی اس لاہوت کا محل ہے۔ اسی مضمون پر کسی صوفی کا یہ شعر ہے۔

روح شمع و شعاع اوست حیات   خانہ روشن از وداواز ذات

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ عام صوفی لفظ جبروت سے عالم جبر ع کسی مراد لیتے ہیں تو در حقیقت لفظ جبروت جبر سے مبالغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں بڑی زبردستی اور بڑی بلندی پس خدا کی وہ شان جس سے وہ سب چیزوں حکومت اور بلندی رکھتا ہے اسی شان کا نام جبروت ہے۔ اور وہ ذات پاک جس کی وہ شان ہے اسی کا نام لاہوت ہے۔ پس لفظ جبروت سے صفات قدیمہ پر اور لفظ لاہوت سے ذات پاک پر اور لفظ ملکوت سے عالمِ بالا پر اور لفظ ناسوت سے عالمِ اجسام پر اشارہ ہوتا ہے۔ اور اس نشان پر بظاہر کچھ نقصان نہیں ہے۔ البتہ وہ کیفیتیں جو ان مقاموں میں صوفیہ نے اپنی عقل سے اپنے ولیوں کے لیے فرض کی ہیں کہ یہاں یہ ہوتا ہے۔ اور وہاں وہ ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت بدلیل ان کے ذمے ہے۔ میں ان کے اس بیان کو محض وہم سمجھتا ہوں۔

۱۳۔ فصل معرفت کے بیان میں

لفظ معرفت بمعنی شناختیں اگرچہ چند معنی میں اہل علم نے استعمال کیا ہے۔ لیکن صوفیہ کی اصطلاح میں خدا کی ذات وصفات کی پہچان کا نام معرفت ہے۔اور یہ صحیح ودرست بات ہے کہ خدا کی ذات وصفات کی شناخت معرفت ہے۔ لیکن بحث اس میں ہے کہ آیا صحیح معرفت الٰہی کہاں سے ہے،اور کیونکر حاصل ہوتی ہے؟اور کہ صوفیہ نے کیا معرفت حاصل کی ہے؟وہ خدا کی نسبت کیا کچھ سمجھتے ہیں؟اور دانشمند طالب حق کا فرض ہے کہ ان باتوں پر فکر کرے۔

ہم جو مسیحی ہیں ہم بھی معرفت کی عزت کرتے ہیں۔اور معرفت میں ترقی کے درپر ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تمام جہان کے علوم کا حاصل یہی ہونا چاہیے کہ آدمی اپنے خالق کو پہچانے اور ہم صاف کہتے ہیں کہ جس نے سب کچھ سیکھا اور خدا کو نہیں پہچانا وہ اب تک جاہل ہے۔

فی الجملہ خداشناسی تو عام لوگوں کو حاصل ہے کہ وہ خدا کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن اتنی خداشناسی کافی نہیں ہے۔ ضرور ہے کہ سب آدمی آگے بڑھیں اور اس قدر بڑھیں کہ نہ صرف کی ذات وصفات پر ہی بس کریں بلکہ اس کی مرضی اور ارادہ کو دریافت کرکے اور اس کے مناسب کام کرکے اس کی رضامندی اپنی نسبت حاصل کریں۔ پس وہ معرفت جو کہ صوفیہ نے حاصل کی ہے وہ کہاں سے ہے؟ کچھ قرآن سے ہے۔ تو بھی بطریق تحریف معنوی کے کچھ حدیثوں سے ہے۔ سو بھی اکثر ضعیف اور وضعی حدیثوں سے کچھ اپنے بزرگ صوفیہ اقوال میں سے ہے۔ کچھ اہلِ فلسفہ کے خیالات میں سے ہے۔ کچھ بعض شعرا کے اشعار میں سے ہے۔ ان کی معرفت کے ماخذ ہیں۔ ناظرین انصاف سے کہیں کہ کیا یہ چیزیں اس لائق ہیں کہ دانش مند آدمی اپنی روح کو ان باتوں کے حوالے کردے؟ ہر معتبر جگہ سے جو باتیں سامنے آتی ہیں۔ وہ اس روشنی کے زمانے میں مقبول نہیں ہوسکتی ہیں۔

پھر صوفیوں نے اور ان کے ولیوں نے کیا معرفت حاصل کی ہے اور ان کے خیالات میں کیا کچھ بھر گیا تھا؟ جو کچھ ان کے خیالوں میں بھر گیا تھا تصوف کی کتابوں میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ اور ہم نے ان کی کتابوں کو پڑھ کر معلوم کرلیا ہے کہ اُن کے خیالوں میں کیا تھا؟ اور جو کچھ ان کے خیالوں میں تھا وہی کچھ ان کی معرفت تھی۔ سب سے عمدہ اور معتبر اور مسائل معرفت کی جامع کتاب ان میں مولوی روم کی مثنوی ہے۔ جس کی عبارت فصیح اور مضامین اکثر جید ہیں اور اس کی نسبت یہ شعر درست ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن درزبان پہلوی

لیکن اس میں اور تمام کتب تصوف میں قریب دو ثلث کے ایسے مضامین درج ہیں جن کو زمانہ حال کی روشنی غلط بتلاتی ہے۔ البتہ بعض باتیں صحیح اور درست بھی ہیں۔ لیکن بعض بڑے بڑے اصول محض غلط ہیں۔ مثلاً ہمہ اوست وغیرہ۔ اور میں یہ کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ اس کے خیالوں میں تھا وہی ان کی معرفت تھی۔ پس ان کی معرفت میں دیکھو کہ کہاں تک غلطی تھی۔ اور اس کا سبب یہی ہوا کہ ماخذ معرفت ناقص تھا۔ اس لیے ناقص معرفت حاصل ہوئی جس کا بطلان اب ظاہر ہوگیا۔ پس سوچو کہ وہ لوگ اب غلط خیال لے کر اپنی روحوں میں کدھر گئے ہوں گے۔

جو معرفت صوفیہ نے اپنی کتب تصوف سے حاصل کی ہے۔ اور جو معرفت ہندوں نے ویدوں اور شاستروں ویراگ سے حاصل کی ہے۔ اور جو معرفت قلندروں نے اپنے مشرب قلندریہ اور عشقیہ نعرہ زنی سے حاصل کی ہے اور جو باتیں یہ جدید مذاہب والے لوگ اپنے

خیالات سے پیدا کر رہے ہیں۔ یہ سب تنگ وتاریک اور پُر خطر اور بے تسلی ہیں۔ کیونکہ وہ سب ایسی راہیں ہیں کہ انسان نے اپنے سے خدا تک نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ عقل کہتی ہے کہ ایسی راہوں سے آدمی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ خدا کو نہیں جانتا۔

انسان خود سے خدا تک راہ نہیں نکال سکتا ہاں خدا خود سے انسان تک راہ نکال سکتا ہے۔ اور اس نے راہ نکالی بھی ہے۔ کیونکہ اس نے دنیا کے شروع سے پیغمبروں کو بھیجا کہ اہلِ دنیا کے معلم ہوں اور اس نے پیغمبروں کے وسیلے سے الہام سے بائبل مقدس کو لکھوایا کہ آدمیوں کے ہاتھ میں معرفت الٰہی کا دفتر ہو۔ اور وہ اپنی روح سے طالبان حق کے لیے ہدایت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہا اور اب بھی تیار ہے۔

پھر جن لوگوں نے پیغمبروں کو مانا اور بائبل سے معرفت حاصل کی ان کے خیالات بھی کلیسیا کے دفتر میں مرقوم ہیں۔ اب اگر کچھ علم اور کچھ عقل اور کچھ انصاف رکھتے ہو تو اٹھوں اور اپنی معرفتوں کو اس معرفت کے ساتھ مقابلہ کرو کہ جو بائبل سے ہے تب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو معرفت بائبل سے ہے وہ وہ نہایت لمبی چوڑی، اونچی، گہری، روشن اور پر تسلی اور زندگی بخش چیز ہے۔ اور تمام دنیاوی مصنوعی معرفتوں پر ایسی غالب ہے جیسے اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر غالب ہے۔

خدا کی ذات پاک کا صحیح علم۔ اور اس کی صفات قدیمہ کا صحیح بیان اور اس مرضی اور ارادوں کا ذکر۔ اور اس کے گذشتہ عجیب کاموں اور انتظاموں کا تذکرہ۔ اور اس کے ان عجیب کاموں اور انتظاموں کا بیان جو ہر روز دنیا میں نظر آتے ہیں۔ اور اس کی جلیل حکمت اور پیش بینی کی کیفیت وغیرہ باتیں جس قدر بائبل سے معلوم ہوتے ہیں۔ ساری دنیا میں کوئی کتاب نہیں ہے کہ ان امور کا ایسا بیان کرے۔

لیکن بائبل کو پڑھنا اور سیکھنا چاہئے اس کے ہر ایک لفظ پر غور کر کے اور ہر لفظ کے نیچے جو قادیق مندرج ہیں کہ اس لفظ کی روشنی میں اور عرفان بائبل الٰہی روح کی مدد سے دریافت کر کے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان سب کو دریافت کر کے پڑھنے کا نام بائبل مقدس کا پڑھنا ہے۔

کیونکہ کسی شے کی پوری کیفیت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کی خوبی اور برائی میں خوب غور کی جاتی ہے۔ ایسا ہی معاملہ ویدوں اور قرآن وغیرہ کے ساتھ بھی برتنا واجب ہے۔ تاکہ کسی کی نسبت کوئی امر حق تلفی کا وقوع میں نہ آئے۔ عوام الناس کو ایسی تکلیف نہیں دی جاتی۔ وہ اپنی لیاقت اور طاقت کے مناسب جو کچھ کلام متن سے سیکھتے ہیں وہ معرفت ان کی نجات کے لیے مفید ہے۔ لیکن وہ جو معرفت میں ترقی چاہتے ہیں اور لیاقت وطاقت اور ہمت بھی رکھتے ہیں۔ انہیں ضرور ہے کہ اس انتہامہر معرفت میں غوطہ زنی کرنے کی تکلیف کو گوارا کریں۔ تاکہ حقیقی معرفت کا لطف حاصل ہو اور انوارِ الٰہی سے منور ہو جائیں مسیحی اولیا اللہ نے ایسا ہی کام کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقی معرفت صرف بائبل سے حاصل ہوتی ہے اور مسیحی ولیوں کو حاصل ہوئی ہے اور بائبل میں مندرج ہے۔ اور پیغمبروں سے پہنچی ہے۔ لیکن وہ معرفت جو تصوف وغیرہ سے ہے وہ نادانی کے خیالات ہیں جو اڑ گئے اور اڑتے جاتے ہیں۔ اور وہ جو اس پر فریفتہ ہیں آخر کو شرمندہ ہوں گے۔ اور ہائے افسوس؛ کہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے کلام کو ذلیل اور حقیر سمجھا۔ اور اس پر توجہ نہ کی مگر انسانوں کی باتوں کو مفید اور معتبر قرار دیا تھا۔ اس کی سزا خدا کی عدالت میں اٹھانی ہوگی۔

۱۴۔ فصل شریعت طریقت حقیقت کے بیان میں

مشرعت الما۔ نہر کے گھاٹ کو کہتے ہیں۔پس پانی پر جانے کی راہ کو شرع یا شریعت کہتے ہیں پھر دین کی راہ کا نام شریعت پڑ گیاہے کیونکہ وہ بھی انہار جنت پر جانے کی راہ ان کے گمان میں ہے محمدی لوگ اسلام کی راہ کو شریعت کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہر پیغمبر ایک شریعت لایاہے۔لیکن یہ ان کا خیال غلط ہے خدا کی طرف سے صرف دنیا میں ایک ہی شریعت آئی ہے جو موسیٰ لایاہے اور سب نبی جو پیدا ہوئے اسی کے خدمت گزار تھے اس مفصل شریعت کا خلاصہ خدا نے ہر انسان کے دل میں ید قدرت سے لکھ رکھاہے اور وہ یہ ہے کہ سب چیزوں سے زیادہ خدا کو اور اپنی جان کے برابر بنی نوع انسان کو پیار کرنا چاہیے۔اب خواہ اس کے موافق ہو یا نہ ہو مگر سب کا دل اس بات کو مانتا ہے مگر صوفیہ کی بولی میں ظاہری راہ ورسوم مقررہ اسلام کا نام شریعت ہے۔گویا دین داری کی صورتِ ظاہری کو وہ شریعت سمجھتے ہیں۔

طریقت یہ لفظ طریق سے ہے جس کے معنی ہیں عام راستہ ہر کہیں جانے کی راہ کو طریق کہتے ہیں اور یہ لفظ طریق سے بنا ہے۔جس کے معنی ہیں کوٹنا اور طریق بمعنی مطروق ہے یعنی کوٹا ہوا۔یعنی راہ جس کو آدمی اپنے پیروں کے چلنے سے کوٹتے ہیں۔صوفی سمجھتے ہیں کہ شریعت عام راہ ہے۔اور طریقت خاص راہ ہے خدا سے ملنے کا۔اور وہ ان کے تصوف کی چال ہے اس صورت میں محمدی شریعت سے ان کا تصوف افضل ٹھہرا۔بعض محمدی عالموں نے اس مشکل کے دفع کرنے کو یوں کہاہے کہ دین کی ظاہری صورت شریعت ہے اور اس کی باطنی جان طریقت ہے۔یہ بھی ان کی غلطی ہے۔وہ دین کی باطنی جان کس کو کہتے ہیں؟آیا اس کیفیت کو جو محمدی اہلِ شرع کی باطنی کیفیت ہے یا اس کیفیت کو جو صوفیہ کے ولیوں کی باطنی کیفیت تھی یہ تو دو کیفیتیں جدا جدا اصاف عقل سے نظر آتی ہیں۔اور طریقت کا لفظ صوفیہ کا ہے۔جو انہوں نے اپنے سلوک کی چال کی نسبت استعمال کیاہے۔اور شریعتِ محمدی سے افضل اور خدا سے ملنے کی خاص راہ سے اس کو بتلایا ہے۔اس لیے وہ شریعتِ محمدی کی خاص باطنی جان نہیں ہے۔بلکہ وہ جدی بات ہے۔جو صوفیہ لائے ہیں۔

حقیقت یہ لفظ حق سے ہے یعنی سچائی۔کشف اللغات میں لکھاہے کہ حقیقت نزد صوفیہ ظہور ذات حق است بے حجاب تعینات و محو کثرات موہومہ در نور ذات۔پس یہ ہمہ اوست کا مقام ہے۔جو کفر کی بات ہے۔اگر کفر کی بات حقیقت ہے تو کافر حق پر ہیں۔افسوس کہ یہ تینوں لفظ شریعت،طریقت اور حقیقت کیسے ذلیل اور مکروہ کردیئے اپنے واہی تباہی معنی سے۔کیونکہ اگر شریعت صرف ظاہری راہ ورسوم کا نام ہے تو یہ ایسی چیز ہوئی کہ جیسے مردہ لاش ہوتی ہے۔جس میں جان نہیں ہوتی۔اور طریقت نام اس تصوفی راہ کا جو کہ علوم اسلام سے خارج ہے۔اور حقیقت نام ہے ہمہ اوست کے خیال کا جو باطل خیال ہے اور طریقت سے حاصل ہوتا ہے۔اب صوفیہ کے پاس کیا خوبی رہ گئی؟شریعتِ محمدی کو مردہ سمجھ کر پھینک دو اور طریقت کو اس لیے پھینک دو کہ اس سے حقیقت یعنی حماقت حاصل ہوتی ہے۔پھر صوفی تو بالکل خالی رہ گئے۔ایک صوفی بزرگ نے کہاہے کہ شریعت نفس انسانی سے علاقہ رکھتی ہے اور بہشت میں پہنچاتی ہے۔طریقت دل سے علاقہ رکھتی ہے اور وہ خدا سے ملاتی ہے۔حقیقت روح سے علاقہ رکھتی اور روح کو مقام ہمہ اوست میں پہنچاتی ہے۔یعنی خدا سے مل کر خدا ہو جاتے ہیں۔اس بیان پر بھی وہی آیت آتی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیاہے مجمع السلوک میں لکھاہے کہ

شریعت در نماز و روزہ بودن طریقت در جہاد اندر فزودن

حقیقت روی در دلدار کردن نظر اندر جمال یار کردن

یہ بیان بظاہر عبارت تو بہت خوب ہے لیکن حاصل اس کا بھی وہی ہے۔ جو صوفیہ کے اصول سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہمہ اوست میں جا کر دم لیتے ہیں۔

وہ بات اور ہے کہ جو ہم مانتے ہیں کہ رسمی شریعت مسیح میں مکمل ہو کر اپنی اصلی روحانی صورت میں آگئی ہے۔ کیونکہ رسمی اور روحانی میں سایہ اور عین کی نسبت تھی لیکن یہاں صوفیہ میں یہ تینوں جدا جدا باتیں ہیں۔ اور ان میں مخالفت کی نسبت ہے کیونکہ یہ سب انسانی بناوٹیں ہیں۔ **خدا کی ڈالی ہوئی بنیاد محکم ہے جو کہ بائبل اور مسیحیت ہے۔**

۱۵۔ فصل یقین کے بیان میں

جازم راسخ ثابت اعتقاد کا نام صوفیہ کی اصطلاح میں یقین ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ یقین کی تین قسمیں ہیں۔ اول علم الیقین یہ حاصل ہوتا ہے کہ دلائل قطعیہ سے مثلاً برہان یا خبر متواتر سے۔ دوئم عین الیقین یہ حاصل ہوتا ہے۔ آنکھ کے مشاہدے سے۔ سوئم حق الیقین یہ حاصل ہوتا ہے۔ کسی شے کے حاصل کے ہونے سے بتواتر خبر ملی ہے کہ دوزخ اور بہشت موجود ہیں۔ جب ہم نے اس خبر پر یقین کیا کہ تو یہ علم الیقین ہوا اور آنکھ سے دوزخ اور بہشت کو جا کر دیکھ لیا تو یہ عین الیقین ہوا اور جب دوزخ یا بہشت میں ڈالے جاتے ہیں تو تب حق الیقین ہوا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان اصطلاحوں میں کچھ غلطی نہیں ہے۔ یہ درست باتیں ہیں لیکن مجھے حیرانی اس امر میں ہے کہ ان صوفیہ کے عقائد اور خیالات تو علم الیقین کے رتبے سے بھی بہت نیچے گرے ہوئے ہے۔ اور وہ لوگ ہر گز برہان سے اور خبر متواتر سے اپنے عقائد کا ثبوت نہیں دے سکتے پھر وہ عین الیقین اور حق الیقین کا ان عقائد کی نسبت کیونکر دم بھرتے ہیں۔ ان کے پاس صرف توہمات ہیں اور ان کا نام یقینات انہوں نے رکھ چھوڑا ہے۔ اچھی اچھی اصطلاحیں محمدی اہلِ شرع کے مقابلے میں جمع کی ہیں۔ لیکن ان کے اندر کچھ زندگی اور خوبی نہیں ہے۔

۱۶۔ فصل وحدت وجودی اور شہودی کے بیان میں

سب بُری باتوں سے زیادہ اور خطرناک اور نالائق بات صوفیہ میں یہ ہے کہ وہ سب کے سب بالاتفاق وحدت الوجود کے قائل ہیں اور وحدت الوجود کے معنی کتب تصوف اور غیاث اللغات میں یوں مرقوم ہیں۔ (وحدت الوجود باصطلاح متصوفین موجودات راہمہ یک وجود حق سبحانہ تعالےٰ دانستن وجود ماسوارا محض اعتبارات شمردن چنانچہ موج و حباب و گرداب قطرہ و ژالہ ہمہ را یک آب پندآشتن)۔

یہی ہمہ اوست ہے جس کے سب صوفی قائل ہیں اور تمام تصوف کی ساری عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے۔ ہاں بہت محمدی عالم اس کے قائل نہیں ہیں اور اس خیال کو کفر سمجھتے ہیں تو بھی صدہا بزرگ عالم محمدی جنہوں نے اسلام میں تسلی نہیں پائی اور ناچاری سے تصوف کی طرف جھکے ہیں اس نالائق خیال کی طرف مائل نظر آتے ہیں اور ایسی تقریریں کرتے ہیں کہ اہلِ شرع کو بھی تھام رکھیں اور اس عقیدے کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ یہ عقیدہ اگر گمراہی ٹھہرے تو ان کے سب اولیا گمراہ ثابت ہوتے ہیں اور تسلی کی کوئی بات ان کے پاس نہیں رہتی **کیونکہ تمام قرآن میں تسلی کا تو کوئی مقام نہیں ہے۔** صوفیہ کے گھر میں یہ ہمہ اوست خیال انہیں کچھ تسلی دیتا ہے۔

صوفیہ کے سب خاندانوں میں نقشبندیہ خاندان زیادہ تر باشرع اور احتیاط کا گھرانا ہے۔اسی گھرانے کے مرید ہمارے شہر پانی پت کے ایک بزرگِ اعظم فاضل جلیل قاضی ثناﷲ مصنف تفسیر مظہری[1] وغیرہ ہیں۔اور وہ مرزا مظہر جان جانان بزرگ دہلی کے مرید تھے۔مرزا صاحب کے تصوف کی ساری کیفیت ایک کتاب میں مندرج ہے۔جس کا نام معمولات مظہریہ[2] ہے۔ہندوستان میں جس قدر تصوف کی کتابیں لکھی گئیں۔یہ کتاب ان سب میں اعلیٰ رتبہ کی ہے اور قاضی صاحب نے اس کی صحت پر گواہی لکھی ہے۔وحدت الوجود کے مسئلے کی بابت اسمیں یوں مرقوم ہے۔(صفحہ ۱۰۲) صانع اور مصنوع میں عینیت ہے یا غیریت اس بارے میں شرع ساکت ہے لیکن کاملیں پر یہ بے حد کشف سے ظاہر ہوا ہے۔مراد یہ ہے کہ کاملین نے کشف سے معلوم کیا ہے کہ عینیت ہے۔پس یہ ہمہ اوست کا اقرار ہوگیا۔

پھر اس خاندان میں نامدار بزرگ ہوئے ہیں۔شیخ احمد سرہندی ہیں جنکو مجدد الف ثانی کہتے ہیں اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی ان کی بڑی تعریف شرح فتوح الغیب کے خاتمے میں لکھتے ہیں اور فی الحقیقت وہ صاحبِ علم اور سنجیدہ صوفی تھے۔ان کے مکتوبات ان کی لیاقت ظاہر ہے۔کہ محمدی دین کا علم ان کو پورا تھا۔

انوار العارفین صفحہ ۷۴ میں ان کا بیان یوں مرقوم ہے کہ حقائق الاشیاثابتہ یہ معاملہ حواس سے علاقہ رکھتا ہے۔لیکن عارفین حواس عقلیہ سے آگے بڑھ گئے ہیں انہوں نے وہاں جاکر ہمہ اوست کا بھید پایا ہے۔پس ان بزرگوں کے بیان سے ظاہر ہے کہ وہ شرع محمدی کو بھی قائم رکھتے ہیں اور ہمہ اوست بھی چھوڑنا نہیں چاہتے۔

یہ جو اوپر بیان ہوا ہے کہ ہمہ اوست کا بھید حواس سے دریافت نہیں ہوسکتا۔بلکہ حواس سے یہی ثابت ہے کہ حقائق الاشیاثابتہ لیکن یہ بھید کشف سے معلوم ہوا ہے۔اور کاملین حواس سے آگے بڑھ گئے ہیں اور وہاں سے بھید کو دریافت کرکے لائے ہیں۔یہ بات سادہ لوحوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے کیا خوب معلوم ہوتی ہے۔فی الحقیقت دھوکا اور روحوں کی ہلاکت کے لیے زہر ہے۔

جن اشخاص کو صوفیہ کاملین کہتے ہیں۔ہمیں ان میں کچھ کمال نظر نہیں آتا اور جن باتوں کو وہ کمالات کہتے ہیں۔وہ ہمیں نقصانات معلوم ہوتے ہیں۔پھر ان باتوں کی نسبت جن کو وہ ان کے مکاشفات کہتے ہیں۔حجت باقی رہتی ہے۔ہم کیونکر یقین کریں کہ وہ ان کے الٰہی مکاشفات ہیں؟ کیوں نہ کہیں کہ توہمات ہیں۔جو قوت واہمہ سے نکلتے ہیں۔سچے اور جھوٹے نبیوں میں امتیاز کرنے کے لیے کچھ قواعد عقلیہ اور نقلیہ ضرور مقرر ہیں۔اور ان قواعد سے جب کوئی سچا نبی ثابت ہوتا ہے تو تب اس کی باتیں اس خیال سے مانی جاتی ہیں کہ وہ خدا کا نبی ہے۔یہ صوفی کون ہیں؟ جن کو مکاشفے ہوتے ہیں۔اور حواس سے آگے بڑھتے ہیں۔اور وہاں سے جہاں حواس کا کام نہیں ہے کچھ لاتے ہیں۔اور اپنے حواس میں رکھ کر لاتے ہیں۔اور مریدوں کے حواس میں ڈالتے ہیں۔ان باتوں کو جو حواس سے ثابت نہیں ہوسکتیں اور وہ جو اہلِ حواس ہیں جنہیں خود مکاشفے نہیں ہوئے وہ ان کی تائد میں کوشش کرتے ہیں۔بلکہ ان کے آورد کو اپنے ایمان کی جگہ میں رکھتے ہیں۔

ہمیں دنیا میں تین قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔بعض خدا کے منکر ہیں مگر جہان کی،موجودگی کے قائل ہیں۔کیونکہ جہان موجود نظر آتا ہے۔یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جہان کا وجود اور انتظام سب کچھ دہر یعنی زمانے سے ہے اور یہ لوگ دہریہ کہلاتے ہیں۔

بعض خدا کے قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دہر بھی خدا کی خلقت میں سے ہیں۔ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔یعنی وہ جو خدا کے قائل ہیں۔دو طرح سے خدا کو سمجھتے ہیں۔ایک وہ ہیں جو ہمہ اوست میں خدا کو بتلاتے ہیں۔اور وہ سمجھتے ہیں کہ صانع اور مصنوع میں عینیت ہے نہ غیریت یعنی خدا نے جہان کو اپنے ہی اندر سے نکالا ہے یا خدا خود جہان بن گیا ہے۔پس اس جہان کی اور خدا کی ایک ہی ماہیت اور حقیقت ہوئی۔قدیم زمانے

[1] http://www.maktabah.org/aa/item/920-tafsir

[2] http://www.maktabah.org/fa/popular/item/2134-mamoolat-e-mazhariya

کے مصری اور یونانی بت پرستوں کا بھی گمان تھا اور ویدوں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ قوم صوفیہ جو کہ بت پرست قوم تھی۔ان کو بھی قدیم بت پرستوں سے وراثتہً یہی خیال پہنچا تھا کہ وہی خیال محمدی صوفیوں میں اب تک چلا آتا ہے۔اور اس میں متعصب ہو گئے۔وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہم نے یہ خیال بت پرستوں سے لیا ہے۔ بلکہ عیب پوشی کے لیے کہتے ہیں کہ ہمارے کاملین کو مکاشفہ ہوا ہے۔ بھلا صاحب جب آپ لوگ دنیا میں نہ تھے۔ تو کیا اس کا مکاشفہ اس وقت بھی بت پرستوں کو ہوا تھا؟ یا ان کا عقلی خیال تھا جو کہ باطل تھا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو کہ ہمہ از اوست کے قائل ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ صانع اور مصنوع میں غیریت ہے نہ عینیت اور کہ جہان عدم سے وجود میں آیا ہے اور کہ خدا کی اور کچھ ماہیت ہے اور اشیا جہان کی اور کچھ ماہیتیں ہیں۔اور یہ کہ حقائق الاشیا ثابتہ حق ہے۔ حواس سے بھی اور مکاشفوں سے بھی۔

ہم سب مسیحی اور یہودی جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہیں۔اسی خیال کو مانتے ہیں۔اور اکثر علامحمدیہ بھی اسی خیال میں ہمارے ساتھ ہیں۔اور کلام اللہ کی بھی یہی تعلیم ہے۔ لیکن وہ محمدی جو تصوف میں قدم رکھتے ہیں۔ ہمہ اوست کا مہلک خیال جس سے خدا کی بے عزتی ہوتی ہے وہ نہیں چھوڑتے۔

اور یہ جو اوپر کہا گیا ہے شرع محمدی اس بارے میں ساکت ہے۔سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں ہمہ اوست کا خیال صاف صاف کہیں نہیں لکھا ہمہ از وست کا خیال زیادہ تر بیان ہوا ہے۔ صرف ایک مقام میں سورہ حدید میں ہے جس سے صوفی کچھ استدلال کرتے ہیں کہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے لفظ ظاہر سے وہ اشیا دیدنی مراد لیتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ظاہر ہے اللہ ہے لیکن علامحمدیہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ وہ بدلایل ظاہر ہے۔ نہ بذات اور ہم بھی یہی مانتے ہیں کہ وہ بدلایل ظاہر ہے۔ اہلِ ہمہ اوست کہتے ہیں کہ وہ بذات ظاہر ہے اسی کا نام شہود ہے۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد صاحب مفردوں میں سے تھے تو کیا تعجب ہے کہ ان کی مراد لفظ ظاہر سے وہی ہو کہ جو صوفی کہتے ہیں۔ پھر یہ لوگ دو وضعی حدیثیں سناتے ہیں۔ کہ حضرت نے فرمایا کہ (انا احد بلا میم وانا عرب بلا عین) یعنی میں احد اور رب ہوں۔ یہ تو کفر کے کلمے ہیں۔ معتبر کتابوں میں ان حدیثوں کا ذکر نہیں ہے۔ شاید صوفیہ نے بنائی ہوں۔

ہاں ایک حدیث اور ہے جو معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔ جس سے ہمہ اوست کا خیال حضرت کے ذہن میں کچھ معلوم ہوتا ہے۔وہ یہ ہے کہ یؤذینی ابن آدم، یسب الدھر، وأنا الدھر اللہ کہتا ہے کہ انسان مجھے دکھ دیتا ہے۔اس لیے کہ وہ دہر کو گالی دیتا ہے۔اور میں خود دہر ہوں۔اس حدیث میں حضرت دہریوں کا مذہب ثابت کرتے ہیں۔اور اللہ کو دہر بتلاتے ہیں۔

اور ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اگرچہ بظاہر یہ دو فرقے ہیں یعنی دہریے اور ہمہ اوست والے مگر فی الحقیقت حاصل ان کا ایک ہی ہے۔ دہریہ کہتے ہیں کہ خدا نہیں ہے۔ جو کچھ ہے یہ جہان ہے۔ ہمہ اوست والے کہتے ہیں کہ خدا ہے مگر سب کچھ خدا ہے۔ یہ تو ایک ہی بات ہوئی۔ دو عبارتوں میں پس جیسے دہریہ بے خدا ہیں۔ ویسے ہیں ہمہ اوست والے بھی بے خدا ہیں۔

ہمہ اوست کا خیال عقلی تجویز ہے۔سب پیغمبر اس کے مخالف ہیں۔ہاں سب بت پرست اس کو مانتے ہیں۔ پس اس کے ماننے والا پیغمبروں کا ساتھی نہیں۔ وہ بت پرستوں کا ساتھی ہے۔اور جو جس کا ساتھی ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا۔ تب صوفی قیامت میں بت پرستوں کے ساتھ اٹھیں گے نہ کہ پیغمبروں کے ساتھ۔

ہمہ اوست کے خیال کی جڑ یہ ہے کہ بعض آدمیوں نے ایسا سمجھا کہ دینا میں ہر کاریگر جو کچھ بناتا ہے۔ کسی مادے سے بناتا ہے۔ بغیر مادے کے کوئی چیز کسی کاریگر سے نہیں بن سکتی۔ خدا نے جہان کو کیونکر بنایا؟ وہ مادہ کہاں سے لایا؟ تب ان کے قیاس نے جواب دیا کہ مادہ خدا نے اپنے ہی اندر سے نکالا اور اس میں تصرف کر کے سب کچھ ظاہر کر دیا۔ پس سب کچھ اس میں سے ہے۔ اس لیے سب کچھ وہی ہے یہی دلیل وحدت الوجود کی ان کے پاس ہے۔

خدا کے پیغمبر جو خدا سے سن کر بولتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے۔ اس کی قدرت مطلق ہے۔ یعنی آزاد اس کی قدرت کے لئے کوئی حد نہیں وہ کہیں رک نہیں سکتی۔ ورنہ وہ مقید قدرت ہوتی نہ کہ مطلق۔ پس اس قدرت سے اس نے جہان کو پیدا کیا عدم سے نکالا اور عدم کی تعریف علمِ حکمت میں یہ ہے (**العدم یقابل الوجود فلیس للعدم وجود**)۔ یعنی عدم مقابلہ میں ہے وجود کے اس لیے عدم کا وجود نہ ہوا۔ جس لیے فارسی لفظ نیستی ہے۔ یعنی لا وجود۔ پس خدا نے جہان کو نہ اپنے اندر سے مادہ نکال کر پیدا کیا بلکہ نیستی میں سے پیدا کیا ہے۔ لفظ کریٹ (Create) انگریزی میں اور خلقت عربی میں اور پیدا فارسی میں اور بارا عبرانی میں ایسے معنی میں آتا ہے۔ کسی چیز کا بغیر مادے کے پیدا کرنا۔ پس دنیا کے کاریگر کچھ چیزوں سے کچھ چیزیں بناتے ہیں۔ کیونکہ اس کی قدرت محدود اور مقید ہے اور وہ قادر مطلق نہیں۔ خدا قادر مطلق ہے۔ وہ نیستی سے بحکم خود چیزیں پیدا کرتا ہے۔ اگر ہم خدا کو دنیا کے کاریگروں کی مانند خیال کریں تو اس کو اس کی عالی شان سے گراتے ہیں اور مردود ہوتے ہیں۔

اس کے سوا یہ بات ہے کہ اگر یہ جہان خدا کے اندر سے نکلا ہوا ہوتا تو خدا کی ماہیت میں اس جہان کو بھی دخل ہوتا۔ اور اس پاک ماہیت کے جو خاصے ہیں وہ جہان میں بھی پائے جاتے۔ دیکھو خداوند یسوع مسیح خدا کی ذات میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہے اور روح القدس خدا کے اور مسیح کے اندر سے آتا اور غور کرنے سے برگزیدوں کی روحوں میں معلوم ہوتا ہے۔ اور جو خاصیت الٰہی ماہیت کی ہے۔ وہی خاصیت ان دونوں شخصوں میں برابر پائی جاتی ہے۔ جو خدا کی ذات میں سے ہے۔ اس میں خدا کی خاصیت ہے۔ اگر جہان خدا کے اندر سے ہوتا تو جہان میں الٰہی خاصیت ضرور ہوتی۔ اور جہان تو کچھ بھی نہیں ہے نہ کوئی شے قائم بالذات ہے نہ کسی چیز میں قدرت اور علم اور زندگی بالذات ہے۔ ہر شے معلول ہے۔ اور ہر علت کے لیے علت ہے۔ اور وہ جو علت العلل ہے۔ مخفی ہے۔ اور ہر معلول کے لیے دو طرفین ہیں۔ ایک وہ طرفین ہے جس سے اس کا علاقہ علتہ العلل ہے۔ بواستہ علل کے ہے۔ اور اسی سے اور بحال اور موجود ہے۔ دوسری طرف وہ ہے جس سے اس کا علاقہ نیستی کی طرف ہے۔ اگر علتہ العلل اس کو چھوڑ دے۔ تو وہ معلول نیست ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ جہان نیستی سے بقدرت واجب الوجود موجود ہوا ہے۔ اگر وحدت الوجود صحیح ہے تو خدا میں نیستی میں گھرا ہوا ہے ہر طرف سے پس ہمہ اوست نہیں ہے۔ بلکہ ہمہ از اوست ہے اور جو خدا ہے سب سے نیارا ہے اس کی ماہیت کچھ اور ہے۔ اور موجودات کی ماہیتیں کچھ اور ہیں۔ ہمہ اوست کے ابطال میں بہت سی ماہیتیں ہیں۔ جو دیگر مصنفوں کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ اور اثبات میں بارے میں سواء دو تین وہمی باتوں کے کچھ بھی نہیں ہے۔

گزشتہ زمانہ تاریکی کا خصوصاً غیر اقوام پر ایسا تھا کہ اس میں اس ہمہ اوست کے خیال میں بعض لوگوں نے کچھ تسلی اختیار کی تھی۔ مگر باطل تسلی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا میں سے نکلے ہیں۔ اور مر کر اس میں مل جائیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے جیتے جی بہ تکلف اس باطل خیال کو اپنے ذہن میں پکاتے تھے۔ اور فطری بدیہی خیال جو ہمہ از اوست کا ہے بہ مشکل ذہن سے نکالتے تھے۔ اور شیطان مجسم ہوئے پھرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم خود خدا ہیں۔ اور اس سے شیطان کا مطلب خوب پورا ہوتا تھا۔ کہ خدا کی بے عزتی ہو۔ اگر ہمہ اوست صحیح بات ہو تو کیا ضرور ہے کہ صوفی اتنی ریاضت کرے کہ بے ریاضت اور باریاضت آدمی سب برابر ہیں۔ اور بت پرستی کا امر بھی مکروہ نہیں ہو سکتا۔ اور نیکی بدی میں کچھ حاجت فرق کی نہیں ہے۔ ایمانداری اور بے ایمانی فرمان برداری اور نافرمانی برابر ہیں کیونکہ سب کچھ خدا ہے نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اب روشنی کا زمانہ آگیا ہے۔کلام اللہ کی روشنی اور علمی روشنی نمودار ہوئی ہے۔اوراس خیال کا بطلان زیادہ تر واضح ہو گیا ہے۔اور معلوم ہو گیاہے کہ ویدیں وغیرہ وہ سب کتابیں جن میں یہ خیال مرقوم ہے۔اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہیں۔انسانی تجویز سے لکھی گئی ہیں۔اوران سے یہ سبب اس خیال کے خدا کی بے عزتی ہے۔اور یہ بھی معلوم ہو گیاہے کہ جو لوگ اس خیال میں مرگئے ہیں۔اور اولیا اللہ سمجھے گئے ہیں وہ ہرگز خدا رسیدہ نہ تھے۔اس خیال کو پہنچے ہوئے تھے۔پس خدا کا دوست ہونا تو درکنار رہا خدا کو پہچانا بھی نہ تھا۔اور جس کو انہوں نے خدا سمجھا تھا۔وہ بطلان تھا۔اب فرمائیں کہ وہ خدا کے دوست تھے یا بطلان کے۔

خدا پہچانا جاتا ہے خدا کے کلام سے نہ محض دلائل عقلیہ سے نہ احمق فقیروں کے خیالات سے نہ قدیم بت پرستوں کی تجویزات سے نہ ہو حق کرنے سے نہ ریاضت سے نہ ذکر فکر سے مگر خدا کے کلام سے اور وہ صوفیوں اور محمدیوں اور بت پرستوں اور عقل پرستوں کے پاس نہیں ہے۔پھر وہ کیونکر خداشناسی کے دم مارتے ہیں۔اگر کوئی شخص خداشناسی کا طالب ہو تو وہ بائبل شریف کے قریب آئے اور جو کچھ بائبل شریف خدا کے بارے میں بتلاتی ہے۔اس پر غور کرے۔پھر اپنی تمیز سے پوچھے کہ خدا کیسا ہے اور کدھر ہے۔

۱۷۔فصل اطوار تقرب صوفیہ کے بیان میں

صوفیہ کے اطوار جن کے وسیلے سے وہ خدا سے ملنا چاہتے ہیں ان کی کتابوں سے معلوم ہوا کہ اعتقاد واثق اور خلوص اور فروتنی اور ریاضت اور ترکِ دنیا یہ پانچ وسیلے ہیں۔

لیکن ان کا تمام زور تصورات پر ہے۔بعض خیالوں کو ذہن میں پکاتے ہیں جب ان میں پختہ ہو گئے تو گویا محو ہوتے ہیں۔تب سمجھتے ہیں کہ ہم کمالات کو پہنچے چنانچہ آئندہ فصلوں میں ان کے خاص خیالات کا ذکر آئے گا۔جن کے پختہ کرنے سے وہ ولی بنتے ہیں۔

اس فصل میں عام طور پر میں ان کے اطوار کی طرف دیکھتا ہوں کہ کیا ہیں۔پس وہ پانچ باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔اگر افراط تفریط سے محفوظ ہوں۔اور مناسب طور سے عمل میں آیں تو بہت خوب ہیں۔لیکن ان پانچ باتوں میں اس اصل کو نہیں پاتا۔جو عقلاً و نقلاً خدا پرستی کی جڑ ہے جس کے ساتھ ہر خوبی فی الحقیقت خوبی ہوتی ہے۔اور جس کے بغیر تمام خوبیاں برباد اور غیر مفید ہیں۔

اور وہ اصل یہ ہے کہ خدا پرست آدمی میں سب سے پہلے صحیح اور زندہ ایمان ہونا چاہیے۔

دنیا میں ہر فرقہ اپنے گمان میں ایک ایمان کا مدعی ہے اور اس کی حماعت کرتا ہے اور وہ سب ایمان جو دنیا کے فرقوں میں ہیں ہرگز یکساں نہیں ہیں اور سب فرقے ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا ہم نے باوسیلہ اپنے ایمان کے خدا کو راضی کیا ہے۔

یہ کیفیت دنیا میں ایمانوں کی دیکھ کے کیا کروں گے؟اپنے ہی قومی ایمان کو بے دلیل یا زبردستی کی دلیل سے صحیح ایمان سمجھوگے یا تمام دنیا کے ایمانوں کا مقابلہ کرکے صحیح ایمان تلاش کروگے اور اس کو خدا کی رضامندی کا وسیلہ سمجھ کر اختیار کروگے۔اگر دانائی اور انصاف ہے تو ایسا ہی کروگے۔

لفظ ایمان کی بحث محمدی کتابوں میں بہت ہوئی ہے۔کتاب عینی شرح صحیح بخاری اور فتح المبین شرح اربعین اور شرح مواقف وغیرہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔لیکن ایمان کے بارے میں جو بات فکر کی ہے۔اس کا وہاں کچھ بھی ذکر نہیں ہے۔

جو کچھ وہاں لکھاہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض نے کہاہے کہ ایمان صرف دل کا کام ہے یعنی تصدیق۔ بعض نے کہا کہ دل کا اور زبان کا اکٹھا کام ہے یعنی دل سے یقین زبان سے اقرار۔ بعض نے کہاہے کہ ایمان صرف دل کا کام ہے۔یعنی تصدیق۔ بعض نے کہاہے کہ صرف زبان کا کام ہے یعنی اقرار۔ بعض نے کہاہے کہ دل اور زبان کا اکٹھا کام ہے۔یعنی دل سے یقین اور زبان سے اقرار۔ بعض نے کہا کہ دل کا اور زبان کا اور تمام بدنی عضا کا کام ہے۔یعنی اعمال بھی شامل ہیں۔ پھر یہ کہ آیا ایمان اور اسلام ایک ہی بات ہے۔ یا دو جدا جدا چیزیں بعض نے کہا کہ ایک ہی چیز ہے۔ دو چیزیں ہیں۔ پھر یہ کہ آیا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ کسی نے کہا کہ نہیں پھر یہ کہ آیا ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق احمد بن حنبل نے کہا کہ غیر مخلوق ہے اور لوگوں نے کہا کہ مخلوق ہے۔ فیصلہ یوں ہوا کہ آدمی کا اقرار جو اس کا فعل ہے مخلوق ہے اور ہدایتِ الٰہی جو کہ خدا کا کام ہے۔ وہ غیر مخلوق ہے۔ پس شے مخلوق اور غیر مخلوق مل کر ایک ایمان ٹھہرا۔

اصل بات کا کچھ ذکر نہیں کہ جس چیز کا اقرار اور یقین ہوتا ہے وہ کیا ہے اور کہاں سے ہے؟ ہم مسیحوں کا زور اس بات پر بہت ہے کہ کیا ہے اور کہاں سے ہے؟

یہ دو الفاظ کہ ہمارا ایمان کیا ہے اور کہ کہاں سے ہے؟ اگر ناظرین یاد رکھیں تو جلد صحیح ایمان پائیں گے۔ اس سوال کا جواب کہ کہاں سے ہے؟ اور کیا ہے؟ محمدی لوگ یوں دیں گے کہ ہمارا ایمان قرآن وحدیث سے ہے اور خدا کی وحدتِ فردی اور محمد صاحب کی رسالت پر ہے۔ صوفی یوں کہیں گے کہ ہمارا ایمان قرآن و حدیث اور اقوال صوفیہ سے ہے۔ اور خدا کی وحدت وجودی اور محمد صاحب کی رسالت پر اور انتظام قطبیہ پر ہے۔ ہم مسیح یوں کہیں گے کہ ہمارا ایمان تمام سچے پیغمبروں کی کتابوں میں سے ہے۔ نہ کہ آدمیوں کی حدیثوں اور اقوال میں سے۔ اور خدا کی وحدت اور تثلیث مجید پر ہے اور اس بات پر ہے کہ یسوع مسیح ابنِ اللہ اور ہمارے گناہوں کا خدا کی طرف سے بھیجا ہوا کفارا ہے۔ اور اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ لفظ کہاں سے میں ہم یہ ڈھونڈتے ہیں کہ آیا ماخذ ایمان معتبر ہے یا نہیں اور لفظ کیا میں ہم یہ تلاش کرتے ہیں کہ وہ چیز جو روح میں رکھی جاتی ہے۔ اس کی ابدی زندگی کے لیے مفید ہے یا نہیں۔ پس ہمارے ایمان کو اور اس کے ماخذ کو اور اپنے ایمانوں کو ان کے ماخذوں کو دیکھ کر آپ ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ صحیح ایمان کیا ہے؟

صوفیہ وغیرہ کا ایمان نہ روح کی مرضی کے مناسب ہے اور نہ اس کا ماخذ معتبر اس لیے ان کی بنیاد خام رہتی ہے اسی بنیاد خام پر وہ ان پانچ باتوں پر زور دیتے ہیں جن کا اب میں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) یہ وہ سچ کہتے ہیں کہ اعتقاد واثق چاہیے لیکن سچائی پر اعتقاد واثق چاہیے۔ نا کہ باطل بات پر صرف اعتقاد واثق میں ہی خوبی نہیں ہے خوبی سچائی میں ہے۔ بعض بت پرستوں اور جاہل آدمیوں نے غلط باتوں پر اعتقاد واثق رکھ کر جان نثار کی ہے۔ تو کیا ان کا بھیلا ہو جائے گا؟ ہر گز نہیں۔ یہ قول بالکل غلط ہے کہ پیر من خس است اعتقاد من بس است۔

(۲) وہ خلوص کا ذکر بہت کرتے ہیں۔ فی الحقیقت خلوص عجیب نعمت ہے۔ اور ہر حال میں مفید ہے۔ مناسب ہے کہ آدمی بے ریا ہو کر پاک نیت سے خدا پرستی اور سب کام دنیاوی بھی کیا کرے۔ اس سے کامیابی ہوتی ہے۔ لیکن جب خلوص کے ساتھ پتھر بھی پوجے اور ہدایتِ الٰہی کے خلاف راہ اختیار کرے تو اور مکروہ و باطل عقائد میں خلوص کے درپہ ہو تو خلوص سے کیا نکلے گا؟ یہی کہا جائے گا کہ یہ آدمی تو نیک نیت ہے مگر نادانی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ باخلوص لوگوں پر خدا کی مہربانی ہوئی ہے۔ اور وہ مہربانی یہی ہوئی ہے کہ انھیں راہ راست کی طرف ہدایت کے لئے بعض وسائل بخشے گئے ہیں۔ اور ان کی دانائی ان پر ظاہر کی گئی ہے۔ اور دکھلایا گیا ہے کہ جہاں سے تم کچھ ڈھونڈتے ہو وہاں سے کچھ نہیں مل سکتا۔ مسیح خداوند کی طرف جاؤ وہاں سے سب کچھ پا سکتے ہو۔ پس اگر وہ مسیح کی طرف آئیں تو سب کچھ پاتے ہیں۔ ورنہ اپنے خلوص کا ٹوکرا سر پر اٹھا کر جہنم میں جانا ہو گا۔

(۳)فروتنی اور خاکساری بھی خوبی کی صفتیں ہیں۔اور دل کی درستی کے نشان ہو سکتے ہیں۔جب کہ سچی خاکساری ہو ورنہ ہو سکتاہے کہ ظاہر میں فروتنی ہواور باطن میں پوشیدہ غرور ناپاک مطلب بھرے ہوں۔بعض لوگوں نے فروتنی کواس لیے اختیار کیاہے کہ لوگوں سے ان کی تعریف ہواور ان کے بہت دوست اور مرید ہو جائیں۔ایسی فروتنی ناپاک مراد کے ساتھ غیر مفید اور بلکہ عین گناہ ہے۔ حقیقی فروتنی وہ ہے جس کاذکر مسیح خداوند نے کیامبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں۔خواہ بظاہر شان وشوکت میں ہوں لیکن اندر دل غریب ہے۔ایسے لوگوں کے ساتھ برکت کا وعدہ ہے۔

(۱)صوفیہ کاریاضت پر بہت زور ہے۔اور اکثر دیکھا جاتاہے کہ جب کوئی آدمی دنیاسے الگ ہو کر ریاضیت وعبادت میں مشغول ہوتاہے تب وہ بہت ہی جلد پیر بن جاتاہےاور احمق لوگ ریاضت پر فریفتہ ہو کر اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔اوراس کے لیے کرامتیں تصنیف کرڈالتے اورچرچے اڑاتے ہیں۔یہ سب پیراسی طرح سے پیر مشہور ہوتے ہیں۔اوراب بھی اگر کوئی چاہے کہ میں پیر بن جاؤں تووہ دو کام کرے اول وہ ایسی جگہ جائے جہاں بہت زیادہ جاہل ہوں۔وہاں بیٹھ کر دنیاسے کچھ نفرت دکھائے اور ریاضت کرے۔پھر دیکھو کہ وہ جلد پیر بن جاتاہے نہیں۔ہندوں اور مسلمان فقیروں نے ریاضت ہی دکھلا کر جاہلوں کواپنی طرف کھینچاہے۔لیکن دانشمند لوگ صرف ریاضت پر ہی فریفتہ نہیں ہوتے۔دیکھو رسول کیافرماتاہے(فلپیوں۔۔۲۔۲۳)یہ چیزیں توایجاد کی ہوئیں عبادت اور خاکساری اور بدنی ریاضت اور تن کی عزت نہ کرنا کہ اس کی خواہشیں پوری ہوں حکمت کی صورت رکھتی ہے۔

صورت بغیر جان کے مردہ ہے۔دانشمند جان کی تلاش کرتاہے۔نہ کہ صرف صورت کی۔مگر جاہل صرف صورت پر فریفتہ ہوتے ہیں۔پھر رسول بتلاتاہے۔کہ ریاضت کی دو قسمیں ہیں۔ایک بدنی ریاضت ہے اور دوسری دینداری کی ریاضت (اتمطاؤس ۴۔۷،۸)بے ہودہ اور بوڑھیوں کی کہانیوں سے منہ موڑاور دینداری میں ریاضت کر کہ بدنی ریاضت کافائدہ تھوڑاہے۔پر دینداری سب باتوں کے واسطے فائدہ مند ہے۔کہ اب کی اورآیندہ کی زندگی کاوعدہ اسی کے لیے ہے۔وہ ریاضت جو دینداری میں ہے۔اس کاعلاقہ ایمانِ برحق اور تمام صحیح عقائد اور حقیقی نیک اعمال اور حمیدہ اخلاق ہےاور بدنی ریاضت کاعلاقہ ان جسمانی تکلیفات کی برداشت سے ہے۔جو امور ایجادی ہیں انسانی تجویز سے ہیں۔صوفیہ میں اور ہندو فقیروں میں بدنی ریاضت بہت ہوتی ہے۔لیکن دینداری کی ریاضت صرف ان حقیقی مسیحیوں میں ہے جو خداکے کلام پر چلنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ان کو دنیاکے درمیان سب معاملات میں رہ کر بڑی نفس کشی کرنی پڑتی ہے۔اوریہی ریاضت مفیدوآفرین کے لائق ہے۔

(۲)اور یہ جو ترک دنیاکاذکر وہ کرتے ہیں۔یہ مضمون بھی سخت غورِ طلب ہے۔ترک دنیاکی دو صورتیں ہیں۔اول دنیاکی محبت اور خدمت دلوں میں ایسی غالب نہ رہے کہ خداکی محبت اور خدمت میں قصور آجائے۔دنیاکے سب مناسب کاروبار اوراہلِ رشتہ کے حقوق خداکے حکم سے اور عقل کے حکم سے فطرت کے موافق پورے کرناانسان کافرض ہے۔اور ایسافرض ہے کہ اس میں قصور آئے توآدمی خداکاگناہگار ہوتا ہے۔اور وہ اس میں ایسادھسے کہ خداکی محبت اور خدمت میں قصور آئے تووہ ملعون ہوتاہے۔اس کو ضرور ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پورا کرے۔پس جب ہم ترکِ دنیاکاذکر سنتے ہیں تو یہی مطلب ہمارے خیالوں میں آتاہے۔کہ دنیاکی محبت خداکی محبت پر غالب نہ آجائے۔جیسے سب دنیاداروں کی کیفیت ہے۔یہ ہم ہر گز نہیں سمجھتے کہ دنیاکے سب کاروبار کو چھوڑ کر ہمیں جنگلوں میں جاناضرور ہے۔یہ دنیاکو ترک کرنے کی دوسری قسم ہے۔لیکن اس قسم میں حقوق العباد متعلقہ فوت ہوتے ہیں۔اور خداکی اور عقل کی اور فطرت کی نافرمانی ہوتی ہے۔پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتاکہ ہم ایسے نافرمان ہو کر کیونکر خداسے برکت پائیں گے؟کیاوہ اپنے نافرمانوں کواپنادوست سمجھے گا؟

صوفیہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا سے مطلقاً بھاگنا خدا پرستی ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صورت گناہ کی ہے۔مخالفوں کے درمیان کھڑارہ کر اور جنگ کرکے فتح یاب ہونا بہادری ہے یا مخالفوں کے ڈر سے دور بھاگ جانا اور کہنا کہ میں دشمنوں سے جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔اس لیے میں بہادر ہوں۔اب فرمائیے کہ بادشاہ کون سے سپاہی سے کہے گا کہ تو بہادر تیرے لیے انعام ہے پہلا شخص مسیحی ہے اور دوسرا صوفی ہے۔

۱۸۔فصل علم سینہ اور سفینہ کے بیان میں

لفظ سفینہ کے معنی ہیں بیاض اشعار یعنی شعروں کی کتاب اور کشتی کو بھی سفینہ کہتے ہیں۔علمِ سفینہ بااصطلاح صوفیہ وہ علم ہے جو کتب میں مرقوم ہے۔اور اس سے محمدی شرع کی کتابوں پر اشارہ ہوتا ہے۔

علم سینہ ان کے گمان میں وہ باتیں ہیں جو محمد صاحب سے اور صوفی بزرگوں سے سینہ بہ سینہ یعنی خفیہ تعلیم سے ان میں آئی ہیں۔ان باتوں کو وہ چھپا کر رکھتے ہیں۔اور خاص مریدوں کو سکھلاتے ہیں۔اور علم سفینہ کی نسبت اس علم سینہ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔گویا اصل معرفت یہی ہے۔مراد یہ ہے کہ محمد صاحب کی عام اور علانیہ تعلیم تو قرآن وحدیث ہے اور خفیہ تعلیم صوفیہ کے پاس پوشیدہ ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نے دوطرح کی تعلیم دی ہے علانیہ اور خفیہ۔علانیہ میں کچھ اور ہے خفیہ میں کچھ اور ہے۔اور یہ بات عدم صفائی اور فساد کی ہے دنیاوی مزاج لوگ جن کے دلوں میں اور کاموں میں صفائی نہیں ہے۔وہ ایسے کام کرتے ہیں کہ خدا کے پیغمبروں نے ایسے کام نہیں کیے۔جو کچھ انہوں نے خدا سے پایاجہاں کے سامنے علانیہ رکھ دیا تاکہ اہلِ دنیا ان باتوں کو پرکھیں۔مسیح خداوند نے صاف فرمایا کہ (یوحنا ۱۸۔۲۰)میں نے آشکارا عالم سے باتیں کیں۔میں نے ہمیشہ عبادت خانوں اور ہیکل میں جہاں سب یہودی جمع ہوتے ہیں تعلیم دی اور خفیہ کچھ نہیں کہا۔

دیکھو یہ کیسی صفائی کی بات ہے اب کوئی مسیحی یہ نہیں کہ سکتا ہے مجھے کچھ خفیہ تعلیم مسیح سے پہنچی ہے۔پھر یہ کیا بات ہے کہ محمد صاحب سے شرعی تعلیم علانیہ اور تصوفی تعلیم خفیہ ہوتی ہے۔اُسپر لطف کی بات یہ ہے کہ جو کچھ صوفیہ کے پاس خفیہ تھا وہ سب ظاہر ہو گیا اور ان کی کتابوں میں مرقوم ہے۔پس وہ خفیہ اب خفیہ نہ رہا اور ظاہر ہو گیا۔کہ اس میں بہت کچھ تعلیم علانیہ کے خلاف ہے۔اور دانش مند کے سامنے نہ اس علانیہ کا اعتبار رہا نہ اس خفیہ کا بلکہ معلم کی چالاکی ثابت ہوئی اور نقادوں کو معلوم ہو گیا کہ نہ علانیہ میں زندگی ہے اور نہ خفیہ میں۔

اس وقت شاید کوئی محمدی صاحب کہیں حضرت محمد صاحب نے خفیہ کچھ نہیں سکھلایا ہے۔صوفی لوگ حضرت پر تہمت لگاتے ہیں جو ان کی خفیہ تعلیم کے قائل ہیں۔اس لیے مجھے یہ بتلانا بھی واجب ہے کہ حضرت میں کچھ خفیہ تعلیم کی عادت تو تھی خلافت کا انتظام حضرت علی کے ساتھ تو خفیۃً کچھ اور کیا اور ابو بکر کے ساتھ کچھ اور کیا اور اس خفیہ بندوبست سے کس قدر فساد اور خون ریزی اور امت میں تفرقہ پڑا اگر آنحضرت اس خلافت کا انتظام صاف صاف قرآن میں کہہ دیتے تو کاہے کو وہ فساد ہوتے؟اور کیوں یہ سنی شیعہ بنتے؟دیکھو مسیح نے پطرس کے حق میں صاف صاف کہہ دیا تھا(متی ۱۶: ۱۸سے ۲۰،یوحنا ۲۱: ۱۵سے ۱۷اور ۲۳)کہ تو میرے پیچھے ہولے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت وہ کلیسیا کے انتظام کے لیے مقرر ہو گیا اور سب حواری خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیے ہیں۔محمد صاحب نے ایسا نہیں کیا۔بلکہ اس کو کچھ خفیہ کہہ کر فساد برپا کر دیا میری اس سے صرف یہ غرض ہے کہ خفیہ تعلیم کی عادت تو تھی کیا تعجب ہے کہ تصوفی خیالات کی جڑ خفیہ سکھلائی ہو۔

۱۹۔ فصل بیعت یعنی پیری مریدی کے بیان میں

بیعت کی اصل یہ ہے کہ ۱۰ ہجری میں جب محمد صاحب مکہ میں آئے اور بت پرست قریشیوں کا غلبہ تھا اور یہ غلط بات مشہور ہو گئی تھی کہ عثمان قریش کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ تو حضرت نے ہمراہی مسلمانوں کو جمع کر کے اس ارادے سے کہ وہ بہادرانہ لڑیں گے۔ ایک ایک کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گویا قسم لی تھی کہ وہ بے وفائی نہ کریں گے اس کا ذکر سورہ فتح کے پہلے رکوع میں ہے۔ پیچھے یہ بیعت کا دستور مسلمانوں میں جاری ہو گیا۔ علمہ محمدیہ اور احکام اس کو عمل میں لانے لگے۔ صوفیہ نے اس دستور کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پیری مریدی میں جاری کیا یہ عہد بندی کا دستور ہے جو دنیا کے اقوام میں اور شکلوں میں چلا آتا ہے۔

بیعت لفظ بیع سے ہے فروخت کرنا گویا وہ خود کو پیر کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں۔ کہ بالکل تیری تابعداری کریں گے۔ ہم مسیحی بھی مسیح کے ہاتھوں فروخت ہوئے ہیں۔ اس قیمت پر جو اس نے ہماری جانوں کے لیے اپنے کفارے میں دی ہے۔ لیکن صوفی لوگ پیروں کے ہاتھوں مفت فروخت ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا۔ صرف اس امید پر کہ کوئی خفیہ تعلیم تصوف کی شاید کبھی بتلائیں گے۔

پیر یا شیخ بڈھا آدمی ہے جو پچاس برس سے گزر گیا ہو اصطلاح صوفیہ میں پیر وہ آدمی ہے جو شریعت طریقت حقیقت کی باتوں میں پورا ماہر ہو اور جانوں کے امراض سے واقف اور شفا بخشنے پر قادر ہو۔ اس اصطلاح کے موافق صوفیہ میں ایک پیر بھی نہ ملے گا تو یہی وہ فرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا ہے کہ ایسا شخص تو صرف ایک ہے یعنی یسوع مسیح جو خدا کی مرضی سے کامل واقف ہے اور ہماری جانوں کے امراض سے خبردار ہے اور شفا بخشنے پر قادر ہے۔

قطب بختیار ادشی کاکی فرماتے ہیں کہ پیر وہ ہے کہ جو اپنی باطنی نگاہ کی قوت سے دنیا وغیرہ کا زنگار اپنے مرید کے دل پر سے دور کر دے تاکہ کچھ قدرت وغیرہ نہ رہے۔

سید محمد سینی گیسودراز کہتے ہیں کہ پیر وہ ہے جس کو کشف قبور و کشف ارواح ہوا کرتا ہو۔ اور جس کی ملاقات ارواح انبیا سے ہوا کرتی ہو اور افعال صفات الٰہیہ کی تجلی اور ذات باری تعالیٰ ظہور حاصل ہو یہ سب باتیں صرف مسیح میں ہیں اور کسی میں نہیں مجمع السلوک میں لکھا ہے کہ پیر وہی ہے جو شرع پر مستقیم ہو۔ اور کچھ ہونہ ہو شرع الٰہی پر کامل طور پر چلنے والا اور اس کو مکمل کرنے والا صرف یسوع مسیح ہے اور کوئی نہیں۔

اس لیے ہم مسیحی کسی پیر مرشد کی تلاشش میں ہرگز نہیں رہتے ہم سب کا ایک ہی پیر مرشد ہے یعنی یسوع مسیح جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اور قادر خدا اور کامل انسان ہے۔ ہمارے درمیان بعض ایسے بزرگ مسیحی بھی ہیں جو یقیناً خدا کے دوست ہیں۔ اور ہر وقت خدا کی حضوری میں رہتے ہیں اور بابرکت ہیں۔ ہم مسیحی ان کی عزت کرتے اور انہیں بزرگ سمجھتے ہیں اور ان کے نیک نمونے اور چال چلن میں اور عبادات میں دیکھتے اور سیکھتے ہیں۔ اور ان کی تعلمات سے فائدہ اٹھاتے اور ان کو اپنے لیے خدا کی بڑی بخشش سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم کسی کو اپنا پیر و مرشد نہیں بناتے وہ اور ہم سب پیر بھائی ہیں کیونکہ اپنی روحوں کو سوائے مسیح خداوند کے کسی اور آدمی کے ہاتھ میں سوپنا عقلاً نقلاً ناجائز ہے۔

پھر صوفی کہتے ہیں کہ مرید کو پیر کی نسبت اعتقاد میں مضبوط ہونا اور اطاعت بلاحجت کرنا چاہیے۔ ورنہ کامیاب نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ کہتے کہ پیر من خس است واعتقاد و من بس است یہ قول تجربہ اور عقل اور کلام اللہ کے خلاف ہے۔ اگر خوبی صرف اعتقاد میں ہے تو خوبی ہم میں ہوئی نہ کہ پیر میں کیونکہ اعتقاد ہمارا فعل ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ خوبی صرف خدا میں ہے۔ نہ کسی آدمی میں نہ کسی آدمی کے فعل میں۔ ہاں اعتقاد گویا ایک ہاتھ ہے

جو بھیک مانگنے کے لیے خدا کے آگے پھلایا جاتا ہے۔ اگر ہم آگ کی نسبت اعتقاد کریں کہ وہ سرد ہے۔ یا سانپ کی مانند کہ کہ وہ گو گا پیر ہے۔ تو یہاں سے کیا نکلتا ہے جلنا اور بت پرستوں نے بتوں پر اعتقاد کر کے کیا نکالا یہ کہ خود پتھر ہو گئے۔ پس اعتقاد نے ان کے لیے وہی چیز نکالی جو وہاں تھی صوفیہ نے مردوں اور قبروں پر ایمان باندھا وہاں سے کیا پایا؟ یہ کہ دلوں میں زیادہ مردگی چھا گئی تمیز یں سن ہو گئیں۔

ہاں اگر وہ زندہ خدا پر اور اس کے کلام پر بھروسہ یا اعتقاد کرتے اور تو زندگی اور روشنی روحوں میں آجاتی۔ جیسے حقیقی مسیحیوں کے دلوں میں آگئی ہے۔ کیونکہ جس چیز پر دل ٹکتا ہے وہ اسی چیز کا اثر دل میں ہوتا ہے۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ پیر کی اطاعت ہر امر میں بلا حجت کرنا چاہیے اور یہ شعر سناتے ہیں کہ

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید

کہ سالک بے خبر بنود زراور سم منزلہا

اس بارے میں ہم یوں کہتے ہیں کہ صرف پیغمبروں کی اطاعت بلا حجت فرض ہے کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہادی اور معلم ہیں۔ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کی اطاعت بلا سمجھے ناجائز ہے۔ کسی پیر فقیر اور پنڈت اور مولوی اور کسی پادری کا یہ منصب نہیں ہے کہ اس کی اطاعت بلا حجت کی جائے جب وہ کچھ کہے گا تو ہم سوچیں گے کہ خدا کے کلام کے موافق کہتا ہے کہ یا نہیں اگر نہیں تو اس کی ہر گز نہ مانیں گے کیونکہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں نہ کہ کسی آدمی کے اور ہم نے خدا سے بیعت کی ہے۔ نہ کہ کسی پیر سے۔

۲۰۔ فصل تصور شیخ کے بیان میں

سب صوفی اس بات کے قائل ہیں کہ تصورِ شیخ ابتدا میں مرید کے لیے ضرور ہے یعنی خیال کے وسیلے سے پیر جی کی صورت اپنے دل میں قائم کرنا اور ایسا قائم کرنا کہ گویا وہی صورت اس کا معبود ہے۔ اور یہ شعر سناتے ہیں کہ

چون دیدہ عقل آمد احول معبود تو پیر تست اول

حضرت مجدد صاحب اپنی جلد ثانی کے ۳۱ مکتوب میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب قول جمیل میں اس کی تعلیم دیتے ہیں اور کتاب رشحات کی فصل اول مقصد دوئم رشحہ چہارم میں ایک آیت قرآنی یعنی سورہ توبہ کی ۱۱۹ آیت **(وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ)** کی تفسیر خواجہ احرار سے یوں منقول ہے کہ صادقین کے ساتھ ہونا دو معنی رکھتا ہے۔

اول مجالست جسمانی۔ دوئم باطنی تصورات پس دیکھو کہ یہ صوفی قرآن کے مطالب کو کس ظلم اور زبردستی سے اپنے مطلب پر کھینچتے ہیں بالکل نیچریوں کی تفسیروں کی مانند یہ تفسیر ہے۔ عقل اس تفسیر کو قبول نہیں کر سکتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس تعلیم میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ حضرت مرزا مظہر جان جانان سے کتاب معمولات مظہر یہ میں منقول ہے کہ نواب مکرم خان نے اپنے پیر خواجہ محمد معصوم صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور کہا کہ آپ کی محبت خدا اور سول کی محبت پر غالب آگئی اور میں اس سے شرمندہ ہوں۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ پیر کی محبت عین خدا اور سول کی محبت ہے۔ اور پیر کے کمالات مرید میں آجاتے ہیں۔ یہ تو سچ ہے کہ جب پیر معبود ہو گیا تو جو کچھ پیر میں ہے اس میں تاثیر کرے گا۔ جیسے بت پرستی سے سنگدلی اور خدا پرستی سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن پیر صاحب میں کیا ہے صرف ہمہ اوست کا خیال ہے کہ ویسے ہی یہ ہو جائیں گے۔ ہم جانتے ہیں یہ سب بدعتی لوگ خدا اور انسان کے درمیان بعض جسمانی وسائل قائم کرتے ہیں۔ لیکن خدا کے کلام میں صاف لکھا ہے

کہ خداایسے پرستاروں کو چاہتا ہے کہ جوروح اورراستی سے پرستش کرتے ہیں۔مگر یہ تصور شیخ کی وہی بات ہے کہ ہے جیسے بت پرست لوگ بت کو اپنے اور حقیقی خداکے درمیان قائم کرتے ہیں۔

۲۱۔فصل نفی اثبات کے بیان میں

دوسری تعلیم جو پیر لوگ مرید کو کرتے ہیں نفی اثبات کا ذکر ہے یعنی لاالہ الااللہ کاذکر لاالہ میں نفی ہے اور الااللہ میں اثبات ہے۔

طریقہ اس کا یوں بتلاتے ہیں کہ آدمی وضو کرکے روبکعبہ چار زانو یا دوزانو بیٹھے اورآنکھیں بند کرکے صنوبری قلب کی طرف متوجہ ہو اور سانس کو ناف کے نیچے بند کرکے لفظ لا کو ناف سے دماغ کی طرف سانس میں کھینچے اور وہاں سے لفظ الہ کو دہنے کولہے کی طرف لائے پھر یہاں سے لفظ الہ اللہ کو سانس کے زور کے ساتھ دل کے گوشت پر ایسازور سے مارے کہ سارے بدن میں صدمہ پہنچے۔اگرآواز ہوں ہوں کی نکلے توذکر جہری جو قادریوں کادستور ہے ہوگیااور جوآواز مطلق نہ نکلے توذکر خفی نقشبندیہ کا طور ہے اور یہ ضرب کہلاتی ہے۔اسی طرح جس قدر چاہے دل پر ضربیں لگائے۔

مگر یہ ضرور ہے کہ لفظ لاالہ میں کل محدثات کی نفی کا اور لفظ لاالہ میں اثبات ذات حق کا خیال پختہ رہے یعنی جہاں کی سب چیزیں نیست ہیں صرف خداموجود ہے۔

صوفی لوگ ابتدامیں اس ذکر کی خوب مشق کرتے ہیں اور خاص وقت پر اکھٹے ہوکر اکثرایساکام کرتے ہیں اور ہر وقت چلتے پھرتے سانس میں یہ ذکر چلا جاتاہے۔اوراس میں مشتاق ہوجاتے ہیں اورامید رکھتے ہیں کہ دل میں اس سے کچھ نور چمکے گالیکن کبھی کچھ نہیں چمکتا۔

یہ ہمہ اوست کے خیال کی ابتدائی مشق ہے۔اور یہ محمد صاحب کی تعلیم نہیں ہے۔بلکہ محمد صاحب کی مراد کے خلاف ہے فقرہ لا الہ الااللہ میں محمد صاحب نے غیر معبودوں کی نفی کرکے باری تعالیٰ کے وجودِ حق کا اثبات کیاہے۔جوایک دفعہ سمجھ لیناکافی ہے۔صوفیہ نے زیادتی کرکے لاالااللہ میں کل محدثات میں نفی اقرار دی ہے۔پس غیر معبودوں کی نفی کو کل محدثات کی نفی اقرار دینا محمد صاحب کی مراد کے خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے بلکہ کفر ہے۔

اور اس سے فائدہ کیا ہوتا ہے؟ کثرت ضربات دل کمزور اور ناتواں ہو جاتا ہے۔بلکہ بعض اوقات دلی بیماریاں لا علاج پیدا ہو جاتی ہیں۔اوراس سے جنون بھی ہوتاہے۔جس کو وہ لوگ جذبہ الٰہی سمجھتے ہیں۔یہ جذبہ الٰہی نہیں ہے اور نہ اس میں کلمہ کی کچھ تاثیر ہے۔یہ تو صرف سانس کے رگڑوں کی تاثیر ہے جو حرارت پیدا کرتی ہے۔اگر کلمہ کو درمیان سے نکال کر بے معنی جلد جلد بزور سانس لیں تو بھی وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ برقی حرارت ہے جوسب جسموں میں موجود ہے اور رگڑ سے محسوس ہوتی ہے۔

اوراس سے وجد بھی آتاہے جب کہ صوفی صاحب کسی قبر پر بیٹھ کر اندر ہی اندر ضربات خفیہ کی حرارت پیدا کرتے اوراوپر سے ڈھولک کی تان اور راگ کا لطف اور قوالوں کی ٹپاٹپ تالیاں تاثیر کرتی ہیں تب وہ کودنے لگتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے دل میں کچھ ظاہر ہواہے۔پس یہ

نفی اثبات کچھ پسند کے لائق چیز نہیں ہے۔ہم صرف ایمان کی آنکھ سے سچے خدا کی طرف دیکھتے ہیں اور اس سے ہمارے دلوں میں الہٰی محبت جوش مارتی ہے۔تب ہم سب نیک کاموں کے لیے مستعد ہوتے ہیں نہ کہ کودنے کے لیے۔

۲۲۔فصل حبس کے بیان میں

تیسری تعلیم صوفیہ کی حبس ہے۔جب وہ دیکھتے ہیں نفی اثبات کے ذکر سے دماغ میں خلل نہیں آیاتب حبس یعنی سانس گھوٹنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

طریقہ اس کا یہ ہے کہ خلوت میں اکیلا دوزانوں میں بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھوں سے کانوں کے دونوں سوراخ بند کرکے اور انگوٹھوں کے پاس والی دونوں انگلیوں سے دونوں آنکھیں بند کرے اور درمیانی دوانگلیوں سے دونوں سوراخ ناک کے دباکر بند کرے پھر دو انگلیوں سے اوپر کے ہونٹ اور دوسے نیچے کے ہونٹ خوب دباکر بند کرے ایسا کہ سانس لینے کی جگہ کہیں نہ رہے اس وقت خیال میں گدی کی طرف متوجہ ہو کیونکہ روح ان کے گمان وہاں رہتی ہے۔اور اب جو ہوا سانس کے اندر بند ہوگئی ہے اس سے ذکر نفی اثبات کا دل میں جاری کرے جب تنگ ہوکے جان اندر سے گھبرائے تو ہاتھ ہٹا کر سانس لینا چاہیے پھر اسی طرح بند کرلینا ۔ہر روز ایسا کرنے سے سانس گھوٹنے کی عادت بڑھتی جائے گی۔یہاں تک کہ دیر تک سانس گھونٹا کرے گا۔یہ ایسی مشقت ہے کہ ایام سرما میں عرق آجاتا ہے اور رگوں اور پٹھوں میں تشنج اور عضار ئیسہ کے فطری کام میں خلل آتا ہے اور اس خلل کو وہ الہٰی جذبہ سمجھتے ہیں۔یہ تعلیم ہندوجوگیوں سے صوفیوں نے اڑائی ہے اور محمدی کا کلمہ کا ذکر اس میں اپنی طرف سے ملادیا ہے۔اور جو کچھ اس سے بدن پر تاثیر ہوتی ہے وہ اس کو کلمہ کی تاثیر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مشقت کی تاثیر ہے اور دیوانگی کی جسمانی تاثیر ہے وہ فضلِ الٰہی کا اثر نہیں ہے۔بعض محمدی اس طریقہ حبس کو بدعت کہتے ہیں لیکن صوفی نہیں مانتے کیونکہ ان کا اس سے بڑا مطلب نکلتا ہے مرید کی عقل مار کر جلد اسے ولی بناتے ہیں۔افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے کلام کے پاس نہیں آتے نہ خدا کی راہوں کو دریافت کرتے ہیں۔فقیروں کے بہکائے ہوئے اِدھر اُدھر بے فائدہ مشقت کھینچتے پھرتے ہیں اور دماغی خلل حاصل کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم خدا سے ملیں گے۔خدا کیا ہے؟اور اس سے کیونکر مل سکتے ہیں؟اور اس سے مل کر اس دنیا میں ہمیں کیا حاصل ہوتا ہے؟اور کیسی امید آئندہ کے لیے ہوجاتی ہے؟ان باتوں کو انہوں نے اب تک دریافت نہیں کیا۔

یادرکھو کہ سانس کی رگڑوں سے اور دم گھوٹنے سے اور کسی جسمانی زور سے خدا نہیں ملتا۔پاک اور صحیح ایمان کی قلبی توجہ سے وہ ملتا ہے یہ بائبل کا طریقہ ہے۔

۲۳۔ فصل روزوں اور شب داریوں کے بیان میں۔

روزے اور شب داریاں بجائے خود قربتِ الٰہی کے لیے مفید اور خاص قسم کی عبادات تو ہیں اور اس سے فائدہ تو ہوتا ہے۔اس آدمی کو جو فی حقیقت خدا کا طالب ہے اور سچے ایمان سے خدا کے حضور میں چلتا پھرتا ہے۔روزوں اور شب داریوں کے ساتھ جب سچی طلب اور سچا ایمان نہ ہو تو ان سے صرف جسمانی دکھ حاصل ہوتا ہے۔ بعض صوفی صایم الدہر بنتے ہیں یعنی سال بھر برابر خفیہ روزہ رکھتے ہیں محمدی فقہ کے امام کہتے ہیں کہ یہ کام منع ہے محمد صاحب نے صایم الدھر ہونے سے حدیث میں منع کیا ہے۔صوفی کہتے ہیں کہ ہم عیدین اور تشریق من روزہ نہیں رکھتے اس لیے اس لیے ہم صایم الدہر نہیں ہیں۔اور وہ شب داریاں بھی کرتے ہیں اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ جو خفیتہً کہ کوئی نہ جانے ساری ساری رات جاگتے کبھی آسمان کو تکتے کبھی ٹہلتے کبھی دیوار سے کمر ٹکا کر بیٹھ جاتے کبھی کبھی ساری رات کسی قبر پر بیٹھ کر اس مردہ خاک شدہ کی منت کرتے ہیں کہ ہمیں بھی کچھ نعمت دے۔اگر حقیقی روزے اور حقیقی شب داریاں ہوتیں تو ضرور تقرب الٰہی ہوتا مگر وہ تو کچھ دیوانگی کی حرکتیں دکھاتے ہیں۔اس لیے ان کی شب داریوں میں سوائے نیند کی بربادی کے سبب مزاج میں خلل آتا ہے صبح کو آنکھیں سرخ نظر آتی ہی۔دل کہتا ہے کہ ہم نے رات بھر خدا کی عبادت کی ہے۔ سبحان اللہ ہم کیا خوب آدمی ہیں اب ہم کوئی دن میں ولی ہوتے ہیں اور جب ہم صاحبِ تاثیر ہو جائیں گے۔فلاں فلاں مخالف کا بدعاستیاناس کردیں گے۔ہائے افسوس یہ شیطان جو ایک بدروح ہے۔انسان کے کان میں کیسا پھس پھسا تا رہتا ہے اور نیک آدمیوں کے سب اعمال حسنہ کو جو وہ گرپڑ کے کچھ کرتے بھی ہیں یہ برباد کردیتا ہے۔ریا اور فخر اور ناپاک امیدیں اور طرح طرح کے بدمنصوبے لے کر ہر عابد زاہد بلکہ حقیقی خداپرست کے پاس بھی جاتا ہے۔اور اس کی مٹی خراب کرتا ہے وہ جس کا بھروسہ اعمال پر ہے۔ہمیشہ شرمسار اور ناامید رہتا ہے۔اور فی الواقع آخر کو شرمندہ ہوگا اگر خدا صادق القول ہے۔

مگر وہ مسیحی جس کا بھروسہ صرف مسیح پر ہے اعمال حسنہ کی بربادی اپنی طرف سے اور شیطان کی طرف سے جب دیکھتا ہے اور جب بڑا زور مار کر نیکی کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس میں بھی نقصان رہا تو کہتا ہے کہ سچ ہے کہ میں اعمال سے نہیں بچ سکتا مجھے یسوع مسیح کی بڑی ضرورت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے روزے اور شب داریاں وغیرہ عبادات اگرچہ زمانہ گزشتہ کے بزرگوں کے اطوار ہیں اور مفید بھی ہیں۔مگر باطل خیالات کے ساتھ ان سے کیا ہو سکتا ہے صرف یہ کہ روزوں سے قوت بدنی میں خلل آئے اور معدہ ضعیف ہو اور شب داریوں کی کثرت سے دماغ میں خلل اور پٹھوں میں ہل چل ہو اور اس کے اوپر سانس کی رگڑوں سے دل ضعیف ہو جائے اور حبس کی تاثیر سے مزاج بدل جائے اور یوں یہ ساری حرکتیں مل کر اسے دیوانہ سا بنادیں اور وہ ولی سمجھا جائے۔

ان حرکتوں سے بعض بشدت دیوانے ہو جاتے ہیں۔دو تین شریف زادوں کے نام مجھے معلوم ہیں جو کہ انہیں حرکتوں سے پاگل ہوگئے۔اور وہ مجذوب سمجھے جاتے ہیں۔ بعض میں قدرے دیوانگی آتی ہے ان کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔

پس ان باتوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا صوفیہ کے پاس اور کچھ نہیں ہے صرف یہی ان کی اصولی باتیں ہیں۔اب ناظرین انصاف سے کہیں کہ یہ ان کے طریقے خدا سے ملنے کے ہیں یا دیوانگی سے ملاقات کرنے کے ہیں؟

۲۴۔ فصل چلہ کشی کے بیان میں

صوفی لوگ کبھی کبھی چلہ کشی بھی کرتے ہیں یعنی چالیس دن تک بظاہر دنیا سے الگ ہو کر کسی اپنے خاص طور کے ساتھ کوئی وظیفہ پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس وظیفہ کی زکواۃ دے کر اسے اپنے قابوں میں لائیں گئے۔

اور اس چلہ کشی کے لیے موسیٰ کا چالیس دن تک پہاڑ پر رہنا اور خداوند مسیح کا دن رات کا روزہ اور جنگل میں رہنا اور محمد صاحب کا غارِ حرا میں رہنا بطور سند کے پیش کرتے ہیں۔

میں اس بارے میں یوں کہتا ہوں کہ البتہ کبھی کبھی اکیلا ہو کر خدا سے رفاقت کرنا اور دعا کے وسیلے سے ہم کلام ہونا کلام اللہ کے مطابق بزرگوں کا شیوا ہوا ہے لیکن اس پاک اصل کو پکڑ کر صوفیہ کے طور میں لانا اور قصیدہ غوثیہ یا حزب البحر وغیرہ کی فرضی زکواۃ میں وقت برباد کرنا کلام اللہ کے مناسب نہیں ہے اور اس سے روحانی فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔

جس قدر بزرگ صوفی میری اس تحریر کو پڑھیں گے میں ان سے یوں عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے ضرور کچھ چلے بھی کیے ہوں گے۔ خدا کے سامنے اپنی اپنی تمیزوں کو جواب دو کہ تم نے چلوں کے وسیلے سے کیا پایا ہے؟ صرف یہ کہ مریدوں نے اور آس پاس کے جاہل لوگوں نے آپ کو بزرگ پیر سمجھا اور آپ کی دنیاوی دکانداری کی آمد گرم ہوگئی۔ بعض خانقاہوں کی طرف دیکھو کہ وہ سجادہ نشین جنہیں تم جانتے ہو کہ زنا کار اور شراب خور اور رشوت دوست اور پورے دنیادار ہیں۔ جب کہ ان کے داداصاحب کا عرس نزدیک آتا ہے چلہ کرتے ہیں۔ کسی مکان میں الگ ہو بیٹھتے ہیں۔ صرف ہم راز وہاں آتے جاتے ہیں۔ تسبیح ہاتھ میں اور حقہ میں رہتا ہے۔ اور دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ اس عرس میں کتنی آمد اور خرچ کیا ہوگا۔ پھر عرس کے دن چلہ سے باہر آتے ہیں اور عوام الناس پیر پوجنے کو باہر کھڑے رہتے ہیں اور بڑی دھوم مچتی ہے کہ حضرت پیر جی صاحب چلہ میں سے باہر آتے ہیں۔ فوراً ان کو ہاتھ لگا کر آنکھوں کو لگانا چاہیے وہ برکتوں سے بھرے ہوئے باہر آتے ہیں۔

اور بعض وہ صوفی ہیں ایسے نہیں مگر مثلِ ہندوجوگیوں کے جنگلوں میں سے چلے اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ کیا تمہارا دلی انصاف کہتا ہے کہ انکے یہ افعال اور خیالات پیغمبروں کے کاموں کے برابر ہیں؟ صرف لفظ چلہ تو وہاں سے لیا اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہ بت پرستوں سے لیکر اس میں داخل کیا۔ پھر کہتے کہ جیسے پیغمبروں نے کیا ہم ویسے کرتے ہیں۔ کیا تمہارے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ جسم انسان اور روح شیطان کی۔

اب میں تمہیں ایک پاک چلہ کا طریقہ بتلاتا ہوں جیسے سچے بندگانِ خدا نے بھی کیا ہے۔ اگر اس کو عمل میں لاؤ تو دیکھنا کہ کیسی برکت اللہ سے پاؤ گے۔ چالیس روز تک ہر روز ایک آدھا گھنٹہ پاک نیت سے خفیۃً خلوت میں جا کر خدا سے جو حاضر وناظر ہے۔ اپنی اردو زبان میں بات کیا کرو اور اس سے کہو کہ اے ہمارے خالق مالک ہم گناہگاروں پر رحم کر ہمارے گناہوں کو معاف کردے ہمیں اپنی راہ راست دکھا۔ سب رکاٹوں کو جو تیرے پاس آنے سے روکتی ہیں۔ دفع کر ہمیں اپنا خاص بندہ بنالے وغیرہ۔ جہاں تک چاہوں باتیں کرو۔ لیکن اس چلہ کے ساتھ کچھ پرہیز بھی درکار ہے۔ نہ صرف چالیس دنوں تک بلکہ ساری عمر بھر اور وہ یہ ہے کہ خدا کے ان دس حکموں پر بہت لحاظ رہے۔ جو کتاب خروج کے ۲۰ باب میں مرقوم ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کی انگلی سے ایک لوح پر لکھ کر موسیٰ کو دیئے تھے۔ بلکہ ہر ایک تمیزدار انسان کی روح میں وہ خدا کی طرف سے جلوہ گر ہیں اور محمدی شریعت کے موافق بھی ہیں وہ یہ ہیں۔

- تومیرے سوا کسی اور خدا نہ جاننا۔ پس ہمہ اوست کو چھوڑنا۔
- کسی مورت کی پوجا نہ کرنا۔ پس قبر پرستی اور پیر پرستی مطلق چھوڑنا۔
- خدا کا نام بے جا نہ لینا۔ پس اللہ اللہ کرکے اور ہو حق بک بک نہ کرنا چاہیے۔
- سبت کو ماننا۔ یہودی لوگ ہفتے کے دن کو سبت مانتے تھے۔ مسیحی اتوار کو سبت مانتے ہیں۔ محمدی لوگ جمعہ کو عزت دیتے ہیں۔ لیکن وہ بھی مسیح کی صلیبی موت کا دن ہے۔
- والدین کی عزت کرنا۔ تعظیم اور خدمت اور اطاعت واجبہ سے ناکہ غیر واجبہ سے۔
- خون نہ کرنا۔ یہ تو خواہ مخواہ ہی مانوں گے کیونکہ خونی کو سرکار پھانسی دیتی ہے لیکن دل میں بھی کسی کی خون ریزی کا خیال نہ کرنا
- زنا نہ کرنا۔ اس گناہ کے سبب سے بڑی لعنتیں خدا سے آتی ہیں۔ اور خانہ خرابیاں ہوتی ہیں۔
- چوری نہ کرنا۔ خدا کو سب کچھ معلوم ہے اس سے ڈر کر ایسا کام ہرگز نہ کرنا۔
- جھوٹی گواہی نہ دینا۔ نہ صرف کچہری میں درمیان کسی مقدمہ کے مگر پیروں اور قبروں کی نسبت جھوٹی کرامتیں سنانا بھی جھوٹی گواہی ہے۔
- غیر کی چیز کا لالچ کرنا۔ اپنے حصے پر قناعت چاہیئے پس اس پرہیزگاری کے ساتھ چلہ کشی مفید ہو گی۔

۲۵۔ فصل صوفیہ کے ورد و ظائف کے بیان میں

صوفیوں کے پاس بہت ورد و ظائف ہیں جو کہ ان کے بزرگوں نے انہیں بتلائیں ہیں بعض کوئی درود پڑھتے ہیں بعض کسی قرآنی سورۃ کا ورد پڑھتے ہیں۔ بعض کوئی حزب البحر یا قصیدہ غوثیہ وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن کوئی نہ کوئی مختصر عربی فقرہ عربی کا یہ سب لوگ ہر وقت پڑھنے کے لیے پیروں سے پہنچا ہوا۔ ضرور وردِ زبان رکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان عبارتوں کے پڑھنے سے الٰہی برکت آتی ہے۔ یہ طریقہ قدیم پرستوں کا اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا صرف وقت ضائع اور دماغ خالی ہوتا ہے۔ اور بے فائدہ بک بک میں یہ سب وظائف داخل ہیں۔ مسیح نے ہمیں ان کاموں سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ غیر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی زیادہ گوئی سے ان کی سنی جائے گی لیکن تم مسیحی ایسے کام نہ کرو یہ خدا کے سامنے بک بک ہے صحیح طریقہ ہے کہ کلام اللہ میں غور اور فکر کرکے خدا کی راہوں کو دریافت کرنا اور اپنی انسانی راہوں سے اس کا مقابلہ کرکے ہر روز برائی سے الگ اور بھلائی سے میل پیدا کرتے جانا یہ حقیقی وظیفہ خوانی ہے۔ ناکہ ہزار دفعہ ہر روز بدہو یا بدہو کہنا جیسے سید میران بھیک کے مرید کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۶۔ فصل۔ نقشبندیہ کی بعض اصطلاحات کے بیان میں۔

ان لوگوں کے پاس گیارہ لفظ ایسے عمدہ ہیں جن کے سنانے سے وہ سادہ لوحوں کے دلوں کو اپنی طرف خوب کھینچتے ہیں کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جس آدمی میں یہ گیارہ باتیں ہوں وہ توضرور ولی اللہ ہوں گے۔ وہ گیارہ لفظ یہ ہیں۔

وقوف قلبی وقوف زمانی وقوف عددی ہوش در دم نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کرد باز گشت۔ نگاہ داشت۔ یاداشت۔

وقوف قلبی یہ ہے کہ ذکر کے مفہوم سے ذاکر کا قلب آگاہ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ضربوں کی دہادم میں ذکر کا مفہوم ایسا گم ہوتا ہے کہ سوا جسمانی رگڑوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر ذکر ہوتا ہے۔ لا الہ الا اللہ کا جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب جھوٹے معبود باطل ہیں خدا سچا معبود برحق ہے صوفیہ نے اس کا مفہوم ہمہ اوست نکالا ہے۔ جو لفظوں سے کچھ تعلق نہیں رکھتا پھر وہ کیونکر لفظوں سے چسپاں رہ سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ وقوف قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت خدا کی حضوری میں رہے ذکر ہو یا نہ ہو اور یہ برکت ہم مسیحیوں کو بافضلِ مسیح بلا مشقت خوب حاصل ہے کیونکہ اس نے جس کے ہم مرید ہیں ہمارے دلوں میں خدا کی محبت کو جاری کر دیا ہے۔

وقوف زمانی یہ ہے کہ صوفی اپنے حال سے آگاہ رہے۔ کہ اس کا ہر وقت اطاعت میں گزرتا ہے یا معصیت میں۔ یہ کیسی بات ہے جب کہ صوفی ہمہ اوست کا قائل ہے۔ اور فاعل ہر فعل کا خدا کو مانتا ہے۔ اور وحدت الوجود میں غرق ہے۔ پھر اطاعت اور مصیبت کیا چیز ہے۔ کیا وہ ایمان لاتا ہے کہ میں فعل مختار انسان ہوں اور بدی مجھ سے ہوتی ہے نہ کہ خدا سے اگر وہ ایسا مانتا ہے تو صوفی نہیں ہے۔ پھر ذکر کا فرضی مفہوم اس کے پاس کہاں ہے۔ سچا وقوف زمانے سچے مسیحیوں سے ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر وقت اپنا حساب آپ لیتے رہتے ہیں۔

وقوف عددی اس کو کہتے ہیں کہ نفی اثبات کا ذکر برعایت طاق ہوا کرے جفت نہ رہے یعنی ۲۰ نرہے اکیس بار وغیرہ ہو جائے تاکہ جفت جفت الگ کر کے آخر کو تین جو طاق ہیں باقی رہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان اللہ وتریحب الوتر۔ اللہ طاق ہے اور طاق کو پیار کرتا ہے۔

مشکوۃ شریف۔ جلد دوم۔ اللہ تعالی کے ناموں کا بیان۔ حدیث ۸۰۸

اسماء باری تعالی کو یاد کرنے کے لئے بشارت

راوی:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إن للہ تعالى تسعة وتسعين اسما مائة إلا واحدا من أحصاها دخل الجنة". وفي رواية: "وهو وتر يحب الوتر"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ ابتدا ہی میں بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہو گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

یہ حدیث ہے محمد صاحب کی اور یہ مقام صوفیوں اور مسلمانوں اور مسیحیوں کے لیے فکر کا ہے کیونکہ اس میں محمد صاحب گواہی دیتے ہیں کہ اللہ طاق ہے۔ محمدی صوفیوں کو چاہیئے کہ لفظ طاق کا بیان کریں کہ کیا ہے؟ کیونکہ مجرد واحد تو طاق نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حدیث معتبر حدیثوں میں سے ہے۔ اور سب اہلِ ہندسہ جانتے ہیں کہ ایک کا عدد نہ طاق ہے نہ جفت دو جفت ہے اور تین طاق ہے اور تمام محمدی فلاسفر کہتے ہیں کہ عدادئی نام ہے تین کا جس کو انگریزی کالم پرائم نمبر کہتے ہیں۔ اور ہم مسیحی بہدایت کلام اللہ تعالیٰ کو طاق یعنی تثلیث سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ خدا طاق سے پیار کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات پاک کو اس سے مناسبت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ اس کی حمد میں آسمان پر فرشتگان عدد طاق کی رعایت رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قدوس قدوس قدوس رب الافواج۔

صوفی کہتے ہیں کہ ذکر میں عدد طاق کی رعایت رہے تا کہ خدا اس کو پسند کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ ذات پاک میں بھی طاق کی رعایت رہے پس ہمارا وقوف عددی کامل ہے نا کہ ان کا انہوں نے ان اللہ وتر کو تو چھوڑ دیا جو اصلی بات تھی اور اس کی جگہ میں ہمہ اوست رکھ دیا۔ لیکن یحب الوتر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اخیر اینم غنیمت است اس مقام کو کئی بار غور سے پڑھو اور اس کا مطلب حفظ کر لو۔

ہوش دروم کے معنی یہ ہیں کہ صوفی ہر سانس سے آگاہ رہے کہ وہ غفلت میں نہ گزرے۔ یہ بات محال ہے جو ہو نہیں سکتی کیونکہ غفلت جسم کا خاصہ ہے۔ دیکھو خود محمد صاحب کیا فرماتے ہیں؟

<u>مشکوۃ شریف۔ جلد دوم۔ استغفار و توبہ کا بیان۔ حدیث ۸۵۷</u>

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار

<u>راوی :</u>

وعن الأغر المزني رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " : إنه ليغان على قلبي وإني لأستغفر الله في اليوم مائة مرة ". رواه مسلم

حضرت اغر مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بات ہے کہ میرے دل پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم)

(انہ لیغانُ علی قلبی) میرے دل پر غفلت کا پردہ آجاتا ہے۔ بندے نے اس حدیث کا بیان تعلیم میں مفصل لکھ دیا ہے۔ اگر خوب سمجھنا چاہو تو وہاں دیکھو۔

نظر بر قدم یہ ہے کہ جب صوفی کہیں اٹھ کر جائے تو اس کی نظر پیر کی پشت پر رہے تا کہ متفرق چیزوں کو دیکھنے سے طبیعت پراگندہ نہ ہو اور نظر بے جا نہ ہو جائے۔ پس اس بات کو پسند نہیں کرنا چاہیے کہ سب چیزوں کو جو دنیا میں ہیں دیکھیں۔ خدا نے آنکھیں اسی لیے دی ہیں کہ ہم اس جہان کی چیزوں کو دیکھیں اگر ہم اللہ کے لوگ ہیں اور خدا ہمارا دوست ہو کر ہمارے ساتھ ہے تو ہم ضرور نیک نظر رہیں گے۔ اگر خدا ہمارے ساتھ نہیں ہے اور زبردستی اس کی حضوری کو اپنے خیال میں رکھتے ہیں۔ تو اس بناوٹ سے ہم کہاں تک نیک رہیں گے۔ خواہ نظر بر قدم ہوں۔ خواہ بر فلک بد خیالات ضرور دل میں پیدا ہوں گے۔

سفر در وطن۔ یہ ہے کہ صفات بشریہ سے نکل کر صفات ملکیہ میں جانا صوفی لوگ توہمات میں مبتلا ہیں ہم کیونکر یقین کریں۔ کہ وہ صفات بشریہ سے نکل کر صفات ملکیہ میں جا پایا کرتے ہیں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ جب قیامت کے دن مومنین نئے بدن میں ہو کر مسیح میں اٹھیں گے۔ تب فرشتوں کی مانند ہوں گے۔ فی الحال کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ خدا کی حضوری کے آثار زیادہ دلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس وقت عجیب خوشی اور جلال کا سایہ دلوں میں محسوس ہوتا ہے اور حمد و ثنا کا لطف آتا ہے جو کہ بیان سے باہر ہے۔ میرے گمان میں سفر در وطن یہ ہے کہ کہ آدمی ہمیشہ

قدوسیت میں ترقی کرے۔اور جسمانی بدخواہشوں میں سے نکلتا رہے گویاوہ اپنے وطن کے قریب آتا جاتاہےاور اپنی روح میں آسمانی مسافرہے جب سفر تمام ہوگا۔تب وطن میں جاپہنچے گا۔ہاں یہ کیفیت ہمارے تجربے میں آچکی ہے اس لیے ہم اس کے مقرہیں۔ مگر یہ بخشش صرف مسیحی ایماندار کو حاصل ہوتی ہے۔جب کہ وہ خداوند مسیح کا پیروہے سوائے مسیحی کے ہو نہیں سکتا کہ کبھی کسی کو حاصل ہو۔

خلوت درانجمن۔اس کے معنی ہیں کہ بظاہر جماعت میں اور باطن خدا کے ساتھ رہنا یہ دلی حضوری کا بیان ہے۔جو کہ بہت سے مسیحیوں کو مسیح کے فضل سے حاصل ہے۔صوفیہ کو اگر کچھ حاصل ہوا بھی تو یہی ہوگا کہ وہ جماعت میں بیٹھاہے۔اوردل میں اس کے ہمہ اوست ہے۔جو خدا نہیں ہے ایسی خدا کی حضوری سے کیافائدہ ہے کیونکہ اگر ہمہ اوست کا خیال صحیح ہو تو خلوت درانجمن تحصیل حاصل ہے۔

یاد کرو۔یہ ہے کہ غفلت کو بکوشش دور کرنا ۔غفلت سے کیا مراد ہے؟اگر غفلت فی الاحکام مراد ہے تو فرض ہے کہ وہ غفلت بکوشش دور کی جائے اور ہم بھی اس بات میں اتفاق رکھتے ہیں۔مگر صوفیہ کی مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ خدا کی یاد میں اگر غفلت آئے توبکوشش دور کرنی چاہیے۔خداموجود ہے۔یہ خیال توایک ایسابدیہی ہے کہ ہر حال میں آدمی کو یادرہتاہے۔لیکن ہمہ اوست کا خیال جو باتکلف ذہن میں جمایا جاتاہے وہ ضرور خیال سے نکل بھاگنے والی چیز ہے۔اس کے لیے وہ زوراور کوشش کام میں لاتے ہیں۔

بازگشت۔یہ ہے کہ پہلے روح میں اللہ کو یاد کریں پھر بزبان دل یاد کریں۔

نگاہداشت۔یہ ہے کہ کیفیت آگاہی کی حفاظت کی جائے۔

یادداشت۔یہ ہے کہ نگاہداشت میں پائداری ہو۔یہ سب کچھ بھلاہے۔بشرطیکہ ذہن میں اس خدا کا خیال ہو جو فی الحقیقت خداہے۔کوئی بت پرستوں کابت نہ ہو۔ورنہ اس کے یہ سب جحت بے فائدہ اور مضر ہوگی۔بت پرستوں نے پتھر ولکڑی وغیرہ کے خدا تراشے ہیں اوراہلِ عقل و صوفیہ وغیرہ نے خیالی خدا تراشے ہیں وہ خیالی بت ہیں۔حقیقی خداوہی ہے جس کا ذکر بائبل میں ہے۔کیونکہ خدانے خود بتلایا کہ میں کیا ہوں؟پس سچے خدا کے لیے جتنی محنت کروگے۔پھل پاؤگے۔اور خیالی بتوں کے لیے جو محنت ہوگی۔شرمندگی کا باعث ہوگی۔

۲۷۔فصل لطائف خمسہ کے بیان میں

طریقہ مجددیہ والے کہتے ہیں کہ تمام عالم کی دوقسمیں ہیں۔عالم خلق اور عالم امر۔عرش یعنی خدا کے تخت کے نیچے کا جہان عالم خلق ہے اور عرش کے اوپر کا جہان عالم امر ہے ان دونوں عالموں کے مجموعہ کانام عالم کبیر ہے اور عالم صغیر ہر ایک انسان ہے۔

عالم خلق کے پانچ اصول ہیں۔یعنی نفس اور عناصر اربعہ اور عالم امر کے پانچ اصول ہیں قلب۔روح۔سر خفنی۔اخفیٰ پس عالم کبیر مرکب ہے۔اجزاعشرہ ہیں پھر وہ کہتے ہیں کہ جب خدانے انسان کو پیدا کیاہے تو عالم کبیر کے سانچے پر گویاایک عالم صغیر سابنایاہے کیونکہ انہیں عالم کبیر کی سب چیزیں اس میں معلوم ہوتی ہیں۔پانچواں اصول عالم خلق کے اس میں ہیں یعنی اربعہ عناصر اور نفسِ ناطقہ اور پانچواں اصول عالم امر کے اس میں یوں فرض کرتے ہیں۔کہ قلب کو جو عالم امر کا ایک لطیفہ ہے۔صنوبری گوشت کے ٹکڑے میں اللہ نے رکھاہے۔اورروح کو عالم امر کا دوسرا لطیفہ ہے بائیں پسلی کے نیچے رکھاہے اور سر کو وسطی سینہ اور روح کے مابین جگہ دی ہے۔اور خفی کوروح اور سر کے درمیان رکھا اور اخفی کو ٹھیک وسط سینہ میں رکھادیاہے۔

پس اب کمال حاصل کرنے کے لیے اولاً قلب کی صفائی چاہیے پھر دیگر لطائف میں بذریعہ ذکر کے صفائی ہوتی رہے گی۔اور جب تمام لطائف صاف ہوں گے تب آدمی فنافی اللہ ہو جائے گا۔

میرے گمان میں یہ ان کا بیان بے اصل صرف وہم ہے۔کیونکہ وہ خود اپنے اس بیان کو نہیں سمجھا سکتے کہ یہ کیا بات ہے؟اور نہ اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ہاں عناصر کی بابت کچھ باتیں کر سکتے ہیں۔سو بھی اسی درجہ کے تک اہلِ علم نے لکھا ہے کہ مگر لطائف کی بابت جو کہتے ہیں کہ وہ وہمی بیان ہے۔عالم کبیر کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ انسان دیکھ سکتا ہے۔کون جانتا ہے کہ عالم کبیر کی کیفیت کیا ہے؟ یہ علم صرف خدا کو ہے۔اور محمد صاحب فرماتے ہیں کہ (وما اوتیتم من العلم الاقلیلاً) تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔پھر ان صوفیہ نے کیونکر عالم کبیر کی کیفیت سے آگاہ ہو کر اس کا خلاصہ انسان میں پایا ہے۔خیر اس بحث کو چھوڑتا ہوں کہ انسان عالم صغیر ہے کہ نہیں۔لیکن اس بات کو مانتا ہوں کہ انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا اور آزاد تھا۔اس کی وہ صورت الٰہی گناہ اور اس کے وبال کے سبب سے بگڑ گئی ہے اور وہ لعنتی ہو گیا ہے۔ مسیح خداوند اس لیے دنیا میں آیا کہ فرمانبردار مومن کی بگڑی ہوئی صورت کو اپنی قدرت کی تاثیر سے بحالی بخشے اور اس پر سے لعنت کو ہٹادے۔

یہ بھی سچ ہے کہ اولاً قلب کی صفائی چاہیے کیونکہ قلب ہر انسانیت کی انسانی زندگی کا مرکز ہے۔لیکن میرا سوال صوفیہ سے یہ ہے کہ پہلے صاف صاف ان باتوں کا فیصلہ کرو۔کہ قلب وغیرہ میں کیوں کدورت آگئی اور کیا کدورت ہے؟ بگمان شما سب کچھ خدا میں سے نکلا ہے۔کیا کدورت بھی خدا میں سے نکلی ہے؟اگر وہاں سے نکلی ہے تو کدورت بھی خدا ہے۔اسے کیوں پھینکتے ہو۔کیوں ریاضت بے فائدہ کرتے ہو۔ایک قدم پیغمبروں کے گھر میں دوسرا بت خانے میں رکھتے ہو۔پس تم سوچو کہ کدھر کے ہو اور کہاں کی بولتے ہو۔

۲۸۔فصل حلقہ اور توجہ کے بیان میں

سرگرم پیروں کا ایک خاص وقت خصوصاً مغرب کے بعد مقرر ہوتا ہے۔جب وہ اپنے مریدوں کو لے کر ذکر فکر میں مشغول ہوتے ہیں۔اس کو حلقہ اور توجہ کا وقت کہتے ہیں۔اور ان کے خاندانوں میں اس کے جداجدا طور ہیں چشتیوں کا اور طور ہے۔نقشبندیوں کا اور ہے۔مگر میں یہاں قادریوں کا طور بیان کرتا ہوں۔کیونکہ ان کے حلقوں میں جانے کا مجھ کو اکثر اتفاق ہوا ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد پیر صاحب ایک کوٹھری میں جا کر پشت بدیوار اپنی مسند پر بیٹھے ہیں۔اور مرید آتے رہتے ہیں۔چند منٹ میں سب لوگ جمع ہو کر دائرے کی شکل میں پیر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور دروازہ بند کیا جاتا ہے۔تب پیر صاحب آنکھیں بند کر کے اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اور سب مرید پیر کے منہ کی طرف برابر تکتے رہتے ہیں اور پیر صاحب شوں شوں کی آواز سے ذکر کی دھونکنی جاری کرتے ہیں۔جب سانس کی رگڑوں کی گرمی بدن میں آتی ہے۔اس وقت آنکھ کھول کر بائیں طرف والے مرید کو گھور کر غور سے دیکھتے ہیں۔اور شوں شوں کا جھٹکا دیتے ہیں۔فوراً وہ مرید بھی اسی طرح ہوں ہوں میں ذکر جلی جاری کرتا ہے۔یعنی وہی نفی اثبات کا ذکر شروع کرتا ہے۔اور پیر صاحب پھر بطور سابق اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔پھر آنکھ اٹھا کر دوسرے کو جھٹکا دیتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس سب مریدوں سے یہ معاملہ ہوتا ہے۔اور سب مرید مع پیر صاحب گھنٹہ گھنٹہ تک ہوں ہوں کا شور کرتے رہتے ہیں۔اور عرق عرق ہو جاتے ہیں اور تھک تھک کر چپ کرتے جاتے ہیں۔جب سب چپ ہو گئے۔پیر صاحب ہاتھ اٹھا کر الحمد وغیرہ پڑھتے ہیں۔اور سب لوگ منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔یہ مشق ہر روز ہوتی ہے۔اس نشست کے دائرہ کا نام حلقہ ہے۔اور پیر صاحب کے گھور کر جھٹکا دینے کا نام توجہ ہے۔گویا پیر صاحب اپنے اندر سے کچھ برکت نکال کر روز روز مریدوں کے

دلوں میں ڈالتے ہیں۔اس سے کبھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔اگر کہیں کچھ تاثیر ہوئی بھی ہو تو یہ نشان ولائت نہیں ہے۔بلکہ مسمریزم(mesmerism) کی بات جو مومن اور کافر سب کر سکتے ہیں۔توجھ کی صوفیہ میں بڑی عزت سمجھی جاتی ہے کہ پیر میں کچھ قدرت ہے۔وہ ہم میں اثر کرے گی۔ہمیشہ اس توجھ کے لیے کاملین کی تلاش میں رہتے ہیں۔اور کبھی دل سیر نہیں ہوتا۔میں نے اکثروں کو بڑی تمنا سے یہ شعر پڑھتے سنا۔

انانکہ خاک بنظر کمیا کنند آیا بود کہ نظرے بر من گدا کنند

اللہ کا دروازہ چھوڑ دیا پیروں کا دروازے پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں جب کچھ نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ ہماری قسمت۔ارے نادان قسمت کیا چیز ہے تو خدا سے بھیک مانگ وہ دے سکتا ہے۔تو نے بھوکوں کے دروازوں پر جا کر بھیک مانگی اور خالی آیا۔وہ جو غنی ہے اس کے دروازے پر کیوں نہ گیا؟کہ وہ تجھے سیر کرتا اس کا وعدہ ہے کہ جو کوئی میرے پاس آتا میں اسے نکال نہ دوں گا۔

میں نے بھی ان صوفیوں کی بہت خاک چھانی بلکہ خاک پھانکی اُس وقت میں مسیحی دین سے ایسا ناواقف تھا جیسے اِس وقت بعض دیہاتی ناواقف ہیں میں نے سچے اعتقاد اور نیک نیتی سے ایسا کیا جیسا کرنا چاہئے میں ہمیشہ جنید بغدادی اور بشیر حانی اور سری سقطی وغیرہ کی روشوں کو نگاہ رکھتا تھا۔اور صرف خدا سے یہ سننے کا محتاج تھا کہ تیرا انجام بخیر ہے پیر بن کے روپے اور عزت لینے سے مجھے نفرت تھی۔تمام جفاکشی کے بعد مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ راہ خدا سے ملنے کی نہیں ہے۔اس سے صرف یہی حاصل ہوتا ہے کہ آدمی جاہلوں میں پیر کہلائے اور دنیا کمائے عاقبت کا دغدغہ روح میں سے نہیں نکلتا۔پس میں ان مشقتوں سے تھکا ماندہ اور ناامید بلکہ متنفر ہو کر قرولی سے پانی پت میں آیا یہاں میرے ایک بزرگ مہربان مولوی عبدالسلام امام صابر بخش دہلوی کے داماد قاضی ثناءاللہ کے پوتوں میں سے تھے۔اور صوفی عالم گوشہ نشین کم گو اہلِ فکر میں سے تھے۔میں خلوت میں جا کر ان سے اس مذاق کی باتیں کیا کرتا۔اب آخر میں نے ان سے کہا کہ نہ اسلام سے میری تسلی ہوتی ہے اور نہ تصوف سے۔میں اب ان سب طریقوں کی پابندی چھوڑتا ہوں اور خدا کی تلاش دنیا کے اور فرقوں میں جا کر کروں گا۔اگر آپ مجھے بدلیل روک سکتے ہیں تو مہربانی کر کے روکیں۔نیچے سر کر لیا اور چپ کر گئے۔آخر میں سلام کر کے چلا آیا سات سال کے بعد مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ خدا کا دین صرف مسیحی دین ہے۔اور عاقبت بخیر اسی سے ہوتی ہے۔اس وقت میں لاہور میں تھا۔اور جب مجھ پر یہ ظاہر ہوا۔تب میں نے ہٹالہ والے صاحب سے یعنی شاہ مولوی میر احسن صاحب سے کہ صوفی عالم تھے۔یہ بھید خفیۃ وزیر خان کی مسجد واقع لاہور میں بیٹھ کر کہا کہ اگر آپ بدلیل میری تسلی کر کے مجھے مسیحی ہونے سے روک سکتے ہیں تو خدا کے لیے یہ کام کیجیے۔فرمایا کہ روکنے کی دلیلیں اور تسلی کی طاقت میں نہیں رکھتا مگر یہ کہتا ہوں کہ مسیحی ہونے سے تمہاری مولویت عزت تو جاتی رہے گی۔مسلمان گالیاں دیں گے رشتے دار چھوٹ جائیں گے اور مسیحی لوگ یعنی انگریز بھی تمہاری کچھ پرواہ نہ کریں گے۔عام مسیحیوں کی طرح مارے مارے پھرو گے۔تب میں نے کہا کہ اگر عزت وآرام کی حفاظت کرتا ہوں تو خدا ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر خدا کو تھامتا ہوں تو یہ سب چیزیں ہاتھ سے جاتی ہیں۔ایک نقصان تو مجھے بہر حال ہاتھ سے اٹھانا ہے۔عقل کا حکم ہے کہ ایسی حالت میں چھوٹے نقصان کو گوارا کرنا چاہیے کہ بڑا نقصان نہ ہو پس میں سلام کر کے چل دیا اور مسیحی ہو گیا۔اور میری روح میں تسلی آگئی۔کہ یقیناً میری عاقبت بخیر ہے۔اور اب جو میں دنیا میں زندہ ہوں ہزار کمزوریاں مجھ میں ہوں پرواہ نہیں ہے مسیح نے مجھے بچالیا ہے۔میں نجات یافتہ ہوں۔خدا کی اور میری صلح ہو گئی۔میرے گناہ بخشے گئے۔میں نے اپنی روح میں خدا سے فضل پایا۔ہاں دنیاوی دکھوں کی موجوں میں ہوں لیکن پر پار اتر کر خدا کے پاس آرام میں ابد تک زندہ رہوں گا۔کیونکہ خدا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

ناپاک دل کوتاہ اندیش بازاری مسلمانوں جو چاہا سو مجھے کہا اور بعض جھوٹے دینی بھائیوں نے بھی جو دکھ دیا میرا دل اور خدا جانتا ہے۔بلکہ جسمانی رشتے داروں سے ایذا پائی لیکن اسی صبر سے کام نکلا۔جو پیغمبروں میں تھا اور خدا نے اپنے فضل سے دل میں القا کیا۔یہ سب کچھ خداوند یسوع

مسیح کی پاک توجہ سے ہوا جس نے مجھ پر رحم کیا۔۔ وہ ایک ہی شخص ہے جس کی توجہ خاک سے افلاک پر پہنچاتی ہے۔ وہ بات بالکل غلط ہے کہ دنیا میں ایسے کاملین بھی ہیں کہ جن کی توجہ سے بیڑا پار ہوتا ہے۔ پیر فقیر تو الگ رہے۔ سچے پیغمبروں کی توجہ سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ ایک ہی شخص ہے جس کی توجہ سے اولین وآخرین نے فضل پایا ہے۔ بغیر اس کے فضل کے نہ کوئی ولی ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی نجات پا سکتا ہے۔ نہ کسی کا دل صاف ہو سکتا ہے اور نہ ہی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ صرف اسی کی توجہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔

وہ جو کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو پیچھے ہٹا کر صرف خدا سے فضل کے امیدوار ہیں۔ وہ سخت غفلت میں ہیں اور نادان ہیں۔ کیونکہ خدا جس نے اپنا کلام یعنی بائبل پیغمبروں کے وسیلے سے دنیا کو یہ ثبوت دیا ہے۔ وہ صادق القول اور لا تبدیل خدا ہے۔ اور اس نے اس بات پر مہر کر دی ہے کہ بغیر خداوند یسوع مسیح کے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ روحانی برکت پا سکتا ہے۔

پس اے میرے ہم ملک پیارے بھائیوں اٹھو فکر کر و اور باانصاف کلام اللہ کو پڑھو سمجھو اور سب واہیات مہلک خیالات پھینک دو اور مسیح پر ایمان لا کر پاک ہو جاؤ تب خدا تمہارے پاس آئے گا اور تم اس کے پاس جا سکو گے۔ بغیر اس ایمان کے خدا اور انسان میں دشمنی رہتی ہے۔ اور کسی بات پر الٰہی توجہ نہیں ہوتی حقیقی حلقہ خدا کی کیتھولک کلیسیا ہے اور حقیقی توجہ خداوند یسوع مسیح سے ہوتی ہے اس بات پر بہت سوچو۔

۲۹۔ فصل مراقبہ کے بیان میں

لفظ مراقبہ اگر رقابت سے ہے تو محافظت کے معنی میں ہے اور جو رقوبت سے ہے تو انتظاری کے معنی ہیں۔ صوفیہ مراقبہ بہت کرتے ہیں۔ گھروں میں، مسجدوں میں، جنگلوں میں اور خصوصاً بزرگوں کی قبروں پر بیٹھتے ہیں۔ اور آنکھیں بند کر کے لطائف خمسہ میں سے کسی لطیفے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ زیادی تر قلب کی طرف۔ اور اس کام کی طرف مستغرق ہو جاتے ہیں۔ اس امید سے کہ اندر کچھ روشنی نظر آئے گی لیکن اندر کیا ہے صرف اندھیرا۔

جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے مراقبہ کا عمدہ طور بلی سے سیکھا ہے۔ وہ چوہے کے سوراخ پر ایسی دبکی لگا کر بیٹھی تھی کہ اس کا بال تک نہی ہلتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ مراقبہ اسی طرح چاہیے۔ پس میں ایسا ہی مراقبہ کرنے لگا۔ (از معمولات مظہریہ)

معلوم ہو جائے کہ کسی آدمی کے اندر کچھ روشنی نہیں ہے۔ صرف گناہ، ناپاکی اور تاریکی ہے۔ اگر روشنی دیکھنا چاہتے ہو تو کلام اللہ کے مضامین میں فکر کرو زندگی کا نور وہاں سے دیکھو گے۔ اور اگر چاہو کہ وہ نور ہم میں جلوہ گر ہو تو ایمان کے ساتھ خدا کے احکام بجالانے اور دعا سے یہ ہو گا۔ اور کیا ہو گا؟ کہ نہ مثل شعلہ آگ کے اور یا مثل دنیاوی دھوپ کے کوئی روشنی چمکے گی۔ مگر خیالوں میں ایسی روشنی آجائے گی۔ کہ نیک و بد میں خوب تمیز کرو گے۔ اور حق کو پہچانو گے۔ اور خدا کے بعض پوشیدہ بھید سمجھو گے۔ اور شیطان کی گہرائی دریافت کر کے اس کے جالوں سے بچو گے۔ اور روح میں ایک تازگی اور زندگی ظاہر ہو گی اور اس آیت مقدس کا بھید منکشف ہو گا۔ کہا جہان کا نور میں ہوں۔ صوفیہ ان مراقبوں میں بے فائدہ وقت خرچ کرتے ہیں۔ اس طور سے نہ کسی کو کچھ حاصل ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ ہم مسیحی بھی کبھی کبھی آنکھیں بند کر کے۔ ذرا چپ ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ نادیدہ خدا کی طرف ذرا دل کو متوجہ کریں اور دلی حضوری سے خدا کے سامنے جائیں یا اس کا کلام پڑھیں۔ اور دعا و نصیحت کریں۔ یہ دلی توجہ ہے اور یہی ہمارا مراقبہ ہے۔

۳۰۔ فصل شجروں اوراجازت کے بیان میں

صوفیہ اپنے پیروں کے شجرے رکھتے ہیں کہ فلاں شخص کا مرید فلاں تھا۔اور اس کا فلاں مرید ہوا۔اپنے سے لے کر حضرت علی تک پہنچاتے ہیں۔اور جب مریدوں کو شجرے دیتے ہیں تو لفظ باحق فلاں یا باطفیل صاف لکھتے ہیں۔اور آخر میں کچھ فقرہ دعا خیر کا ہوتاہے۔مریدان شجروں کوپڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔یاسارے بدن پر دم کر لیتے ہیں۔یہ کیا لغو کام اور بری عادت ہے۔

تمام بزرگ تو یہ کہتے ہوئے دنیا سے چلے گئے کہ ما عرفناک حق معرفتک وماعبدناک حق عبادتک اور دلی تمیز صاف کہتی ہے کہ کہ سوا خداوند یسوع مسیح کے کوئی ایسا شخص کبھی دنیا میں ظاہر نہیں ہوا۔جس کی معرفت اور عبادت کامل ہو اور جس کے اعمال حسنہ ایسے بے نقص ہو کہ وہ کچھ حقوق خدا پر ثابت کرے۔سب کے سب شر مسار اور امیدوار ہیں۔میں نہیں جانتا کہ ان پیروں نے کیا حقوق ان بزرگوں کے خدا پر ثابت کرر کھے ہیں۔جن کے واسطے سے مراد براری کے اُمید وار ہیں۔

ہم مسیحی لوگ خداوند مسیح کے نام سے دعا مانگتے ہیں۔کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ میرے نام سے دعا مانگو اور اس نے وہ کام بھی کیے ہیں۔جو ہماری مقبولیت کا وسیلہ ہیں اس کا تجسم ،ولد،ختنہ ،بپتسمہ ،فاقہ ،امتحان اور شیطان سے باطنی کشتی اور لہو کا پسینا اور اذیتِ صلیب اور موت وتدفین اور تیسرے دن جی اٹھنا اور آسمان پر جانااور روح القدس کا نازل فرمانا یہ سب کام بندگان کے فائدے کے لیے ہوئے ہیں۔اس کو خود ان کاموں میں سے کسی کی حاجت نہ تھی اور یہ برحق حقوق ہیں۔جن کے سبب سے وہ ہمارا وسیلہ بنا۔پیروں نے کون سے کام مریدوں کے لیے ہیں۔جو کچھ پیر صاحب نے تصوف میں جفاکشی کی اسی ارادہ اور نیت سے کی تھی کہ ہمہ اوست کے خیال میں خود فنا ہو جائیں۔یہ مرید ناحق ان کے پیچھے چمٹ گئے ہیں۔بعض سمجھتے ہیں کہ شجروں سے یہ تواریخی فائدہ ہے کہ اپنے سلسلوں کے نام معلوم رہتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بات کی سند اوپر تک پہنچ جائے۔مگر صوفیہ اپنے تصوف کی سند اوپر تک نہیں پہنچا سکتے ان کے مسائل اور عقائد اور اطوار وقتاً فوقتاً اِدھر اُدھر سے جمع ہوتے ہیں۔نہ حضرت علی سے نہ محمد صاحب سے پھر سلسلہ اور شجرہ سے کیا فائدہ ہوا صرف یہ کہ ان بزرگوں کے نام سے جاہلوں کو اپنے قابوں میں لائیں اور آپ معتبر ثابت ہوں۔

اجازت بے شک ایک سنجیدہ بات ہے۔کیونکہ دین کی خدمت معتبر بزرگوں سے اجازت حاصل کرکے کرنا مناسب ہے۔تاکہ نالائق آدمی انتظام دین میں خلل انداز نہ ہوں اور بدعتیں نہ نکلیں مگر صوفیہ سمجھتے ہیں۔کہ کسی پیرانٹ اور منتر میں اجازت سے تاثیر ہوتی ہے۔یہ وہمی بات ہے۔

۳۱۔ فصل صوفیہ کے بعض خاص دعوؤں کے بیان میں

اگر کوئی آدمی کہے کہ میں ایسی قدرت رکھتاہوں۔ کہ اڑ کر ستاروں میں پہنچوں اور آجاؤں تو ہم اس کو کیا کہیں گے۔ صرف یہ کہ حضرت اڑ کر دکھلاؤ۔

صوفیہ کے پاس پانچ دعوے اسی قسم کے ہیں۔ جن سے وہ احمقوں کو دھوکا دیتاہیں۔ اور جب کبھی ان دعوؤں کا ذکر آتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم میں جو کاملین ہیں وہ ایسے کام کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی کامل کا نام اور پتہ نشان نہیں دیتے۔ کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے؟ پس اب کیا کیا جائے گا؟ کچھ نہیں دعوؤں کی طرف دیکھنا ہوگا کہ کیا دعوے ہیں۔ اور جب ہم ان کے دعوؤں کو دیکھیں گے۔ تو صاف عقل سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ بعض باتیں ممکن ہیں لیکن ولایت اور قربت الٰہی کا نشان نہیں ہیں۔ اور بعض باتیں ہیں جو بالکل باطل نہیں ہیں۔ ان کا ماننا بے وقوفی ہے۔

- وہ کہتے ہیں ہم سلب امراض کرتے ہیں۔ اور طریقہ یوں بتلاتے ہیں۔ کہ بیمار کو سامنے بیٹھادیں۔ اور اپنے سانس کو لمبا اندر کی طرف کھینچیں اور خیال کریں کہ ہم نے بیمار کی بیماری کو اپنے اندر کھینچ لیاہے۔ پھر باہر کا سانس لیں اور خیال کریں کہ ہم نے اس کو باہر زمین پر پھینک دیا ہے۔ اسی طرح دیر تک کرتے رہیں۔ وہ بیمار اچھا ہو کر چلا جائے گا۔ اس بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ کونسا پیر آپ لوگوں میں ہے۔ جو ایسا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسمریزم والے بھی ایسے عمل کے مدعی ہیں۔ وہ تو بڑے ولی اللہ ہوں گے کیا یہ ولی اللہ کا نشان ہے یا ترکیب ہے؟
- وہ کہتے ہیں کہ ہم دلوں کا حال جان سکتے ہیں طریقہ یوں بتلاتے ہیں صوفی کو اپنی کیفیت سے خالی ہو کر خدا کی علمی صفت میں مستغرق ہونا چاہیے اور باعاجزی کہنا کہ یا علیم یا خبیر اس شخص کا حال مجھے بتلادے پس جو کچھ اس وقت دل میں آئے وہی حال اس شخص کا ہے۔ خدا سے کہنا کہ تو بتلادے کہ یہ تو مناسب کام ہے۔ لیکن خدا ان کو بتلا دیتا ہے۔ اس کا ثبوت کیونکر ہو؟ اس کا ثبوت اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی صوفی اٹھے اور خدا سے ہمارے دل کی بات پوچھ کر ہمیں سنائے۔ اس وقت ہم کہیں گے کہ غلط ہے یا صحیح۔
- وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مکاشفے اور الہام ہوتے ہیں۔ آج کل مرزا غلام احمد صاحب کو الہام ہو رہے ہیں۔ اور صوفی صاحبان کہتے ہیں کہ ہاں صاحب ہوتا ہو گا۔ فلاں فلاں پیروں کو فلاں فلاں وقت ہوا تھا۔ یا نہیں۔ دہر نیچریوں کو ان کے خلاف الہام ہو رہا ہے۔ آسودہ حال اور پیٹ بھرے آدمیوں کو ایسی باتیں بہت سوجھتی ہیں۔ اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ گزشتہ زمانے میں جو پیغمبروں کو الہام ہوئے ہیں۔ ان کی ایک خاص صورت ہے اور خاص وجہ یہ تھی کہ خدا کو اپنی مرضی بندگان پر ظاہر پر کرنا منظور تھا۔ سو اس نے کیا۔ اور صورت یہ تھی کہ ایسے دلائل قدرتیہ کے ساتھ وہ الہامات پیش ہوئے کہ عقل کی مجبوری سے ان کا ماننا لازم ہے ان صوفیہ کے الہامات اور مکاشفات کی وجوہات اور صورتیں اس لائق نہیں ہیں۔ کہ ان کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو وہ توہمات اور ذہنی خیالات ہیں۔ اور میں کیا کہو؟ مگر یہ کہ اگر وہ الہامات خدا کی طرف سے ہیں تو ان میں جمع کر کے قرآن کے ساتھ مجلد کرو کہ مسلمان لوگ نماز میں پڑھا کریں۔
- وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف توجہ سے آدمی کو نیک اطوار بنا دیتے ہیں۔

اس کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ بھلا آدمی بنانا منظور ہے اسے سامنے لا کر بٹھاؤ اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو اس کا تصور کرو اور بوسیلہ خیال کے اس کے دل میں توبہ ڈالو اور شوق پھینکو پس وہ توبہ کر کے نیک ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت محمد صاحب سے تو ہر گز نہ ہوا۔بہت چاہا کہ ابو جہل چچا مسلمان ہو جائے پر وہ ایمان نہ لایا اور تمام سچے پیغمبروں سے بھی یہ نہ ہوا اور تمام گزشتہ صوفی بزرگوں سے بھی ایسا نہ ہوا۔ بعض رشتے داروں کے لیے سرپٹ کر رہ گئے خیر اب اگر کوئی کامل صوفی دنیا میں ہے تو وہ اٹھے اور ہم مسیحیوں اور ہندوؤں کی زندگی میں اپنے اسلام یا تصوف کو پھینکے۔لوگوں کے حق میں دعائے خیر سے تو کبھی کبھی کچھ فائدہ دیکھا گیا ہے لیکن پھینکنا کچھ بات نہیں ہے۔وہی وہم ہے۔

- وہ کہتے ہیں کہ صوفی لوگ خلع ڈلبس کر سکتے ہیں۔

خلع کے معنی ہیں چھوڑنا لبس کے معنی ہیں پہننا مراد یہ ہے کہ صوفی لوگ اپنے بدن کو چھوڑ کر کسی غیر کے بدن میں اپنی روح کو لے جا سکتے ہیں۔اس کا طریقہ یوں ہے کہ میں اپنی روح کو پیروں کی انگلیوں سے شروع کر کے کھینچو اور تمام بدن میں سے اکٹھا کرتے ہوئے دماغ میں لئے جاؤ جب ساری روح وہاں اکٹھی ہو جائے تب منہ یا ناک کی راہ سے نکالو اور کسی غیر مردہ بدن جو کہ سامنے پڑا ہو داخل کرو پس تمہارا بدن مر جائے گا۔اور وہ، مردہ بدن جی اٹھے گا اور تم جانوں کہ میں اس میں آگیا ہوں۔یہ پرانے زمانے کی جھوٹی باتوں میں سے ایک بات ہے۔لیکن صوفیہ کو اس پر یقین ہے۔معلوم نہیں کہ علم الیقین یا حق الیقین یا عین الیقین ہے؟

۳۲۔ فصل تناسخ کے بیان میں

سب صوفی تو نہیں مگر بعض صوفی تناسخ کے بھی قائل ہیں اور ایسے ایسے شعر سناتے ہیں

ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام　　　　یکصد و ہفتاد قالب ویدہ ام

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن تناسخ کا قائل نہیں ہے۔اور محمدی بھی تناسخ کو نہیں مانتے وہ بعض صوفی جو تناسخ کے قائل ہیں انہوں نے بہت باتوں میں اسلام کو اپنے دلوں میں سے نکال رکھا ہے۔اور وہ ہمیشہ بت پرستوں کے خیالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شرح مواقف وغیرہ میں جو تناسخ کی بابت مرقوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔اہلِ تناسخ جو جسمانی قیامت کے منکر ہیں یوں کہتے ہیں کہ ارواح مردم جب اپنے کمالات کو پہنچ جاتے ہیں تب عالم قدوس میں جا شامل ہوتی ہے۔اور ہمیشہ کو بدنوں الگ ہو رہتے ہیں۔لیکن وہ روحیں جن کے کمال میں نقص رہتا ہے ایک بدن سے دوسرے بدن میں انتقال کرتی رہتی ہیں۔اور اس انتقال کا نام نسخ ہے جب انسانی بدن سے کوئی آدمی اپنی حالت کے مناسب حیوانی بدن میں آتی ہے۔مثلاً شجاع آدمی مر کر شیر بن گیا یا بزدلا آدمی خرگوش بن گیا۔یا احمق آدمی مر کر گدھا بن گیا۔تو ایسی تبدیلی کو مسخ کہتے ہیں۔

اور جب ایسی تبدیلی ہوتی ہے تو ارواح مردم نباتات بن جاتی ہیں تو اس تبدیلی کو رسخ کہتے ہیں۔

اور جب کسی کی روح جمادات بن جاتی ہے تو یہ فسخ کہلاتا ہے۔پس لفظ تناسخ جو کہ نسخ سے نکلا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ مسخ، رسخ اور فسخ جب تک ارواح اپنے کمالات علمیہ اور اخلاقیہ کو نہ پہنچیں ان میں ایسی ہی تبدیلیاں رہتی ہیں۔اور جب کمالات کو پہنچیں تو تب عالم قدوس میں شامل ہو جاتی ہیں۔امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سورہ انعام کے رکوع چار ۴ اور آیت ۳۸ میں لکھا ہے کہ

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم

یعنی جو پائی اور پرندی جس قدر دنیا میں موجود ہیں یہ سب تم محمدیوں کی مانند امتیں ہیں۔یعنی تم مسلمان ایک امت ہو ویسے ہی یہ جانور بھی تمہاری مانند امتیں ہیں۔

پھر سورہ فاطر کے ۳ رکوع اور آیت ۲۴ میں لکھا ہے کہ

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

کوئی امت باقی نہیں جس میں خدا نے کوئی ڈرانے والا یعنی پیغمبر نہ بھیجا ہو۔

اہل تناسخ کہتے ہیں کہ آیت بالا میں لفظ امثال تمام ذاتی صفات مساوات کا مقتضی ہے اور کہ چوپائے اور پرندے بھی ہماری مانند امتیں ہیں۔ اور بموجب آیت دوئم کے ہر امت میں پیغمبر آیا ہے تو اب جانوروں میں بھی پیغمبر آئے ہوں گے۔اس لیے جانوروں کو خدا کا اور نیکی وبدی کا علم حاصل ہو گا۔کیونکہ ان کے پیغمبروں نے انہیں سکھلایا ہو گا۔میں کہتا ہوں کہ اگر لفظ کم سے مراد تم انسان ہو تو مطلب ظاہر ہے کہ تم انسان حیوان کی ایک نوع ہو ایسے تمام جانور انواح ہیں ہاں اگر لفظ کم سے مراد امت محمدیہ ہو تو شاید اہل تناسخ کا کچھ مطلب نکلے گا۔اور وہ جو محمد صاحب نے کہا ہے۔کہ ہر امت میں ایک پیغمبر پہنچایا گیا ہے۔یہ کلام حق کے خلاف ہے۔کیونکہ اگلے زمانے میں خدا نے یہود کے سوا سب قوموں کو چھوڑ دیا تھا۔کہ اپنی تمیز کے موافق کام کریں۔ان کے پاس کچھ پیغام نہیں پہنچایا گیا۔لوگوں نے اپنے خیالات سے جو سوچا کیا اور جو چاہا سو بولا اگر خدا سے سب قوموں میں پیغمبر آتے تو اس قدر اختلاف نہ ہوتا جیسا اب دیکھ رہے ہیں۔یہ جدائیاں اور جھگڑے اور ایمانی اختلافات خدا کے نذیروں کے ڈالے ہوئے نہیں ہیں۔بلکہ یہ آدمیوں کی سمجھ سے ہیں۔ہاں جب نجات کا کام مسیح نے پورا کر دیا تو تب نذیر سب قوموں میں پہنچائے گئے ہیں۔نہ صرف نذیر بلکہ بشیر پس جانوروں میں نذیروں کا آنا تو در کنار ساری دنیا کی قوموں میں بھی ہادی نہ آئے تھے صرف یہود میں پیغمبر آئے تھے۔

(ف) میں نہیں سمجھتا کہ ہمہ اوست میں اور تناسخ میں کیا علاقہ ہے۔صوفی کہتے ہیں از روے تحقیق ہمہ عین است نہ غیر واز روئے تعین ہمہ غیر است نہ عین۔پس تحقیق اصل بات ہے اور تعین ایک امر اعتباری ہے جو شخص محو ہو گیا ہے وہ عالم بالا میں پہنچا تو کیا اور جو محو ہوا تو کیا؟ دونوں خدا کے اندر تو رہتے ہیں۔اور اگر سکھ ہے تو خدا کو ہے اور جو دکھ ہے تو خدا کو ہے۔پس اپنا تصوف لے کر گھر جاؤ وہ کسی کام کی چیز نہیں ہے۔ہم تو اس بات کو مانتے ہیں کہ اگر دکھ ہے تو ہمیں ہے۔جو سکھ ہے تو ہمیں ہے۔اور جب ہم خدا سے مل کر سکھ میں جاتے ہیں تو ہم میں اور خدا میں دوری رہتی ہے۔کہ ہم انسان ہیں۔وہ خالق ہے۔ویدوالوں نے بھی جب ہمہ اوست کی تعلیم دی تھی۔تو انہیں تناسخ سے ڈرانا بے جا کام تھا۔

ہمہ اوست اور تناسخ کا خیال یونانی ہے اور ہندوستانی ہے۔قدیم بت پرستوں کا ذہنی ایجاد تھا۔اور ہندوستان کے بعض ہندوؤں کے درمیان ایسا سرائیت کیے ہوئے ہے۔جیسے بت پرست مسلمانوں میں تقدیر کے خیال نے سرائیت کی ہے۔لیکن وہ اس تناسخ کے خیال کا کچھ ثبوت نہیں رکھتے صرف یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایسی کتابوں میں ایسا لکھا ہوا ہے۔

یہ تو سچ ہے ان کی کتابوں میں ایسا لکھا ہوا ہے۔مگر بحث اس میں ہے کہ آیا تمہاری کتابیں کہاں سے ہیں؟ خدا سے یا آدمیوں سے پس امور ذیل پر بحث آجاتی ہے کہ آیا ان کے مصنف کون تھے؟ کس زمانے میں تھے؟ اور کس طرح کے اشخاص تھے؟ ان کی تحریر سے ان کے دلوں اور خیالوں کی کیا کیفیت معلوم ہوتی ہے؟ صفائی کہاں تک تھی؟ اور مبالغوں کی کیا کیفیت ہے؟ وہ کتابیں تو مبالغوں اور واہی تباہی خیالات سے بھری ہیں۔اس لئے وہ اہلِ عقل کے سامنے غیر معتبر ہیں۔کیونکہ انہیں کے خیالات نے جو ان کتابوں میں مرقوم ہیں انہیں باطل ثابت کیا ہے۔پس ان کتابوں کے درمیان جو غیر معتبر ہیں۔تناسخ کا ذکر ثبوت تناسخ کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

ہم مسیحی جو بعض امور کی نسبت یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔کہ خدا کے کلام میں ایسا لکھا ہے کہ ہماری اس بات کا ماننا اس لیے واجب سمجھا جاتا ہے۔کہ ہم نے ان اولاً دیگر کتب میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ کتابیں کلام اللہ ہیں۔اور معتبر خداپرست اور خدا ترس لوگوں سے لکھی گئی ہیں۔اور خدا نے اپنی قدرتوں سے کلام پر گواہیاں دی ہیں۔اور اس کلام کی صدہا تعلیمات عقلاً واجب التعمیل ظاہر ہو گئیں۔پھر اگر کوئی تعلیم اس میں ایسی بھی نظر آجائے جو خدا کی ذات پاک سے علاقہ رکھتی ہو۔اور فہم انسانی سے بلند و بالا ہو تو صرف کلام میں مذکور ہونے کے سبب سے ہم بغیر سمجھے جرات اور دلاوری سے ادب سے قبول کر لیتے ہیں۔اور یہ مناسب کام ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایسا کہنا جائز نہیں کہ یہ بات قرآن میں یا ویدوں میں شاستروں میں لکھی ہے۔اس لیے حق ہے کیونکہ وہ اپنی کتابوں کو من جانب اللہ ثابت نہیں کر چکے ہیں۔اور نہ کر سکتے ہیں۔اسلئے جو دعوئے وہ اپنی کتابوں سے لائیں گے۔اس کا ثبوت انہیں خارج سے دینا پڑے گا۔

اور تناسخ ہمہ اوست کے لیے خارج میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔تب ان کے بے دلیل دعوؤں کو اس بارے میں ہم کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔تناسخ کے لیے سوائے اس دعوئے کے جو غیر معتبر اشخاص سے ہوا ہے دلائل اثباتیہ محض معدوم ہیں دلائل انکاریہ ضرور موجود ہیں۔اور کئی ایک ہیں ان میں سے تین دلیلیں یہ ہیں۔جن کا ذکر کرتا ہوں۔

- جس چیز کا نام نفس ناطقہ ہے۔وہ سوا انسان کے کسی اور حیوان میں پایا نہیں گیا۔پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی روح کبھی انسان میں اور کبھی حیوان میں آتی رہتی ہے۔
- قوت حافظہ نفس ناطقہ کی ذاتی صفت ہے نا کہ عارضی پس کیا سبب ہے؟ کہ کسی آدمی کو کچھ کیفیت تولد اور سابقہ جنم کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔آیا اس کیفیت کے نقش و نگار محو ہو گئے ہیں یا دب گئے ہیں۔محو تو ہو نہیں سکتے کیونکہ حافظہ ذاتی صفت ہے ہاں دب جا سکتے ہیں۔مگر دبی ہوئی بات پھر یاد آسکتی ہے۔جب یاد دلانے والی کوئی چیز سامنے آئے۔آدمیوں کے سامنے سب حیوان پھرتے ہیں۔اور ان کے خصائص ان پر ظاہر ہیں۔اگر وہ آدمی کبھی کوئی جانور تھے۔تو ان کو ان کے ملاحظہ سے اپنی سابقہ کیفیت یاد کیونکہ نہیں آتی؟
- تناسخ کا انتظام خدا نے کس غرض سے کیا ہے؟ جواب یہی ہے کہ سزائے اعمال کے لیے ہم پوچھتے ہیں کہ سزائے اعمال کیا چیز ہے؟ بے فکر اس بات کو نہیں جانتے دنیاوی احکام سے جو سزا ہوتی ہے۔ناسمجھ لوگ الٰہی سزا کو اسی کے موافق خیال کرتے ہیں۔معلوم ہو جائے کہ دنیاوی سزا مجازی سزا ہے۔خدا کی طرف سے جو سزا ہے وہ حقیقی سزا ہے۔دیکھو زید نے بکر کا لاکھ روپیہ چورا کر بالکل برباد کر دیا۔اب بکر زید سے کہتا ہے کہ میرا روپیہ مجھے دے دو ورنہ میں تجھے کسی میعاد کے لیے قید کرا دوں گا اور خوب پٹواؤں گا۔زید کہتا ہے کہ جو چاہو سو کرو میرے پاس تو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔پس بکر نے جو کچھ کر سکتا تھا کر کے صبر کیا زید کچھ میعاد تک دکھ پا کر چھوٹ گیا۔اب بتلاؤ کہ اس میں بکر کا نقصان کیونکر پورا ہو گا؟ اور زید کیونکر ظلم سے بری ہو گا؟ شاید سزا کا میعادی دکھ اور وہ روپیہ مساوی چیز ہوں۔

مگر بتلایئے کہ خدا کی بے عزتی کس میعادی دکھ کے مساوی ہے؟ اس لیے خدا کی سزا یہ ہے کہ یا تو کوڑی کوڑی ادا کرو یا ابدالاباد دکھ میں رہو۔لاانتہا برسوں تک کبھی سکھ کا منہ نہ دیکھو۔یہ سزا خدا کی شان کے مناسب ہے۔اور ظلم کے بھی مناسب ہے۔تناسخ کے دکھوں میں یہ سزا کیونکر پوری ہو جاتی ہے؟ تناسخ میں دکھ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔اگر گدے ہیں تو گدہے کا کام کرتے ہیں اور خوش ہیں۔اور بلے ہیں تو میاؤں میاؤں میں خوش ہیں۔سزا کیا ہے؟ سزا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مجرم اپنے گناہوں سے آگاہ ہو کر دکھ اٹھائے تاکہ نادم ہو۔اور جانے کہ میں نے فلاں کام غیر مناسب کیا تھا اس لئے دکھ میں ہوں۔بتلاؤ کہ ان غریب، ناچار، بیمار فاقہ زدہ اور مصائب کشیدہ آدمیوں میں اور ان جانوروں میں کون آگاہ

ہے ؟ کہ میں فلاں جرم کے سبب سے اس حالت میں ہوں۔ یہ تو الٰہی حکمت کے انتظام ہیں۔ اور ہر جانور اپنی فطری حالت میں خوش ہے۔ اور تناسخ کا خیال غلط ہے۔

خدا کے پیغمبروں نے خدا سے معلوم کر کے ہمیں یوں سکھلایا ہے کہ حیوانات کی روحیں فانی ہیں اور سب حیوانات آدمیوں کی خدمت اور خوراک کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ نباتات میں اور اُن میں قدرے فرق ہے۔ اور ان میں انسانی روح ہر گز نہیں ہے۔ انسان کی روح جو ایک مخلوق شے ہے۔ ایک دفعہ دنیا میں آتی ہے۔ اور جب وہ مر گیا بدن مٹی ہو جاتا ہے۔ اور روح اس کی عالم غیب یعنی عالم ارواح میں رہتی ہیں۔ عدالت کے دن تک سب روحیں وہاں جمع رہیں گی اور ان کے لیے آسائش یاد کھ حسبِ ان کی حالت کے رہے گا۔ قیامت کے دن خداوند یسوع مسیح آئے گا۔ اور جہان کی عدالت وہی کرے گا اسی کو خدا باپ نے ساری عدالت سونپ دی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ انسان ہے۔ اس کے سامنے سب روحیں اپنے بدنوں میں اٹھیں گی۔ اور عدالت کے بعد ایماندار جن کا بھروسہ مسیح کے کفارہ پر ہے ابد تک خدا کی رحمت میں آرام سے رہیں گے۔ اور بے ایمان ابدی دکھ میں چلے جائیں گے۔ پھر وہاں سے کبھی نہیں چھوٹ سکتے اور یہ بات کہ خدا ایک جدا شے ہے۔ اور انسان وغیرہ جدی چیزیں ہیں۔ برابر قائم رہیں گی۔ مفرد و مجرد سب جھوٹے ثابت ہوں گے۔ جب سزا کا منہ دیکھیں گے تو ساری تفرید تجرید بھول جائے گی۔ ہائے ہائے سوجھے گی۔ ابھی قبروں کا حلوہ اور روٹی کھا کر مست ہو رہے ہیں اور اوست کے دم مارتے ہیں۔ وقت آتا ہے کہ اوست کا پوست اترے گا اور میں تو کی سوجھے گی۔

سواء یسوع ابن مریم کے ہر ایک آدمی پیر ہو یا پیغمبر گناہگار اور ابدی سزا کا مستحق ہے۔ کیونکہ سب نے خدا کی شرع کو توڑا۔ سب نے نامناسب کام کیے۔ سب بگڑی ہوئی جڑ کی ڈالیاں ہیں سب دوزخ کی آگ میں جلنے کے لائق ہیں لیکن خدا نے مہربانی کر کے عدالت سے پہلے مسیح خداوند کو بھیج دیا جس نے دنیا میں آکر سب اولین اور آخرین یعنی کل بنی آدم کے لیے الٰہی قرضے کو ادا کیا۔ اور دکھوں کو اٹھایا۔ اور سب کے لیے شریعت الٰہی کو پورے طور پر عمل میں لایا پھر عام منادی کرائی کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے یعنی اس کے فضل کو منظور اور قبول کرے اور کہے کہ میں اس بات سے راضی اور خوش ہوں کہ تو نے میرا قرضہ ادا کیا اور مجھے بچا لیا۔ میں اب تیرا غلام ہوں سب باتوں میں تیرا فرمانبردار رہوں گا۔ تو آگے کو بھی میری مدد اور حمایت کر تو وہ آدمی آئندہ سزا سے بچ جائے گا۔ اور جو وہ کہے کہ تو کون ہے ؟ میں ادا کیا ہوا قرض کیوں منظور کروں ؟ تو نے میرا دکھ کیوں اٹھایا؟ میں آپ اپنا دکھ اٹھاؤں گا۔ آپ نیک اعمال کر کے بچوں گا۔ مجھے یقین بھی نہیں آتا کہ تو نے میرا قرض اٹھالیا۔ فلاں پیر یا فلاں پیغمبر میری شفاعت کرے گا۔ یا خدا آپ رحم کر کے مجھے بخش دے گا۔ ایسے آدمی کو اختیار ہے کہ جدھر چاہے وہ ادھر جائے۔ اور جو چاہے سو کرے مسلمان رہے یا صوفی بنے یا نیچری ہو۔ لیکن یاد رکھیں کہ ابدی سزا میں ضرور پھنسا ہو گا۔ خدا اس پر کبھی رحم نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ اس نے خدا کے انتظام اور رحم کو جو مسیح میں اس کے لیے ہوا تھا رد کیا ہے۔ اور مسیح نے جو اس کا قرض ادا کیا ہے اس شخص نے اپنی رضامندی اس بارے میں الگ کر کے اپنے حق میں اس ادا کیے ہوئے قرضے کو منسوخ کرایا ہے۔ اور اپنے اوپر بحال کھوایا ہے اب یہ خود قرضہ ادا کرے یا ابد تک دکھ میں رہے۔

سارے گناہوں کی فہرست ابد تک پیشِ نظر رہے گی اور سب حسرتوں سے بری حسرت یہ ہو گی۔ ہائے میں نے مسیح کے فضل کو رد کر کے اپنے سارے گناہوں کے تدارک کو جو مجھے مفت ہاتھ آیا تھا کیوں نادانی سے قبول نہ کیا تھا۔ ہائے میں نے مسیح کو رد کر کے اپنی ابدی آسائش کو رد کر دیا اور اب کچھ نہیں ہو سکتا رحم کا دروازہ ابد تک بند ہو گیا عدالت کا منہ ابد تک چبانے کو کھلا ہے۔

۳۳۔ فصل صوفیوں کی وہ کیفیت جواب ہے

جو کیفیت علم سلوک اور سالکین کی اس کتاب میں کتب تصوف سے سنا چکا ہوں اور اس کا ابطال بھی دکھلا چکا ہوں وہ کیفیت حال کے صوفیہ میں برائے نام ہے بلکہ ایک اور کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ جو پہلی کیفیت کی بانسبت زیادہ تر بری ہے۔

شروع میں پہلی کیفیت کے لوگ ہندوستان میں ظاہر ہوئے تھے ان کے چند شاگرد ویسے ہی ہو گئے تھے۔ مثلاً معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین مسعود یعنی بابا فرید، قطب جمال الدین احمد ہانسوی، نظام الدین اولیا، علاؤالدین صابر۔ شاہ ابو المعانی شاہ ابوالعلا اور سید بھیک وغیرہ یہ سب لوگ پہلی کیفیت کے شخص تھے۔

ان کے بعد یہ کارخانہ نہایت بگڑ گیا اب صرف نام کے صوفی پھرتے ہیں اور وہ جو اُن میں نامی ہیں اکثر خاندانی پیر زادے ہیں۔ جن کا جداعلی کوئی نامی صوفی تھا۔ جس کا مزار کہیں کہیں عالی شان عمارت سے بنایا اور خوب سجایا ہے قبر پر عمدہ عمدہ غلاف ڈالے ہیں۔ پھولوں اور خوشبوں سے معطر کیا ہے۔ رات کو بہت چراغ جلاتے اور ادب سے زیارت کرتے اور کراتے ہیں۔ قبر کے قدموں پر جھک کر بھوسے دیتے ہیں خادم یا مجاور جو مقرر ہیں۔ وہ صفائی رکھتے اور مور کی دم کے پروسے جھاڑوں دیتے ہیں۔ سال میں ایک بار موت کی تاریخ میں میلا کرتے ہیں۔ کسبیوں کا ناچ ہوتا ہے۔ جس سے وہ پیر صاحب اپنی زندگی میں بے زار تھے۔ قوالوں کے راگ درویشوں کے وجد ہوتے ہیں۔ ہو حق کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔

جاہل منتیں مانتے نذر نیاز روپیہ پیسہ کوڑیاں اور قسم قسم کے کھانے مٹھائی ریوڑیاں خوب آتی ہیں مزے اڑتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ دیا قبروں کو معبود بنالیا ہے۔ جس پیر زادے کے خاندان میں کسی بزرگ کا ایسا مزار بن گیا ہے اس کے لیے تو دنیا میں ایک جاگیر پیدا ہو گئی ہے۔ وہ زمینداروں سے اچھا رہتا ہے۔ اور کتنے گھرانے اس قبر سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ سارا خاندان اس مزار کو مزار شریف کہتا ہے۔ بلکہ اس شہر کو بھی اس مزار کی وجہ سے شریف کہتے ہیں اور رات دن مداحی میں مصروف ہیں۔ کرامتیں اور قدرتیں اس مزار کی نسبت ہمیشہ تصنیف ہو کر اڑتی رہتی ہیں دیکھو آج کل ایک کتاب نکلی ہے جس کا نام حقیقتِ گلزار صابری[1] ہے۔ اس کے مصنف نے باطل روایتوں کے فروغ دینے کو بعض کتابوں کے نام بھی دل سے فرض کر لیے ہیں۔ کہ یہ بات مکتوب نطاب وغیرہ میں لکھی ہے۔ نہ مکتوب نطاب وغیرہ کوئی چیز ہے اور نہ ہی وہ بات صحیح ہے صرف گلزار صابری کی بہار ہے۔

محمدی مولوی ہمیشہ چلاتے رہتے ہیں کہ اے ظالموں کیا کرتے ہو۔ یہ نہ صوفیت ہے اور نہ اسلام ہے یہ تو بت پرستی ہے۔ مگر پیر زادے کب مانتے ہیں۔ نالائق دلیلوں سے ان کا مقابلہ کرتے اور ایسی بری نگاہوں سے ان کو دیکھتے ہیں۔ جیسے متعصب مومن کافر کو دیکھتا ہے۔ پس حال کے صوفیہ کی ایک تو یہ صفت ہے کہ جس کا بیان ہوا۔ افسوس کی بات ہے کہ اڈیٹران اخبارات جو اکثر برہمو اور آریوں اور نیچریوں وغیرہ کی نسبت کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ ان صوفیوں کی طرف سے کیوں چپ ہیں چپ رہنے میں ان ہزارہا آدمیوں کا نقصان ہے۔ اور چھڑ چھاڑ میں فائدہ ہے کہ آدمی جگائے جاتے ہیں۔ لیکن ادب اور شائستگی سے کلام کرنا مناسب ہے۔

کچھ نہ کچھ چھیڑ چلی جائے ظفر　　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

[1] https://archive.org/details/HaqiqatGulzarSabriurdu

دوسری بات ان میں یہ ہے کہ ہر کوئی کسی نہ کسی پیر صاحب کا مرید ہے اس سے شجرہ لیا ہے۔اور کچھ وظیفہ سیکھا ہاتھ میں تسبیح لی جمعرات کو زیارت کے لیے کچھ قبریں انتخاب کیں سالانہ عرسوں میں برابر حاضر ہیں اور کچھ کوشش بھی کرتے ہیں۔کہ لوگوں کو متعقد بنادیں تاکہ روپیہ آئے اور عزت سے رہیں یہ مقصد اعلیٰ اکثروں کا ہے۔

میں ان صاحبان سے بمنت کہتا ہوں کہ اگر تم منصف آدمی ہو تو آپ ہی انصاف سے کہو کہ یہ تسبیح اور وظیفہ کس مطلب سے ہے۔کیا فتوحات اور کشائش روزی اور دست غیب اور رجوعات اور تسخیر قلوب کے وظیفے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تم نے اپنے لیے اختیار کر رکھے ہیں۔یا نہیں اور اپنی اولاد کو بھی سکھلاتے ہو کہ نہیں۔پس یہ سرپرستی ہے یا خدا پرستی ہے۔تم کس منہ سے کہا کرتے ہو کہ فلاں شخص دنیا حاصل کرنے مسیحی ہو گیا ہے۔کیا تم خدا کے طالب ہو اور وہ دنیا کا طالب تھا؟خدا سے ڈور سچا انصاف کرو میں تو مدت دراز تک صوفیہ میں رہا۔ان کے گھر کے بھید سے خبر دار ہوں۔میں نے تم میں کوئی کوئی آدمی دیکھا جو خدا کا طالب تھا۔اکثر دنیا کے طالب دیکھے اور وہی وظیفے تلاش کرتے رہے۔جن سے دنیا حاصل ہو دنیا کے طالب خود ہو دوسروں کی نسبت کیوں بدگمانی کیا کرتے ہو؟اگر تم خدا کے طالب ہوتے تو ضرور خدا کو پاتے وہ اپنے طالبوں کو بے مراد نہیں پھرنے دیتا میں نے یہ کتاب ایذارسانی کے لیے نہیں مگر دلی محبت اور دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے لکھی ہے تاکہ خوابِ غلفت سے جگاؤں۔

تیسری بات جو ان میں ہے یہ ہے کہ جب ان صوفیہ نے دیکھا کہ ہم میں نہ کچھ قدرت ہے نہ تاثیر ہے۔اور ہم لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارے گزشتہ بزرگ ایسی ایسی قدرت اور تاثیر کے شخص تھے۔ہم میں کچھ تو ہو تاکہ عزت رہے اور ہم بھی صاحبِ تاثیر مشہور ہوں۔اور جاہل سمجھیں کہ قبر والے بڑے پیر کی قدرت حضرت سجادہ نشین صاحب میں بھی ہے۔پس وہ تعویذوں اور گنڈوں اور فلتیوں اور فال اور رمل اور بعض سفلی جادوں کی طرف مائل ہوتے ہیں بلکہ رات دن دعا میں مشغول رہتے ہیں۔

دو تین انگل کا ایک مربع کاغذ لے کر اس پر لکیروں سے خانے بناتے اور خانوں میں ۲و۴اور ۸وغیرہ لکھتے اور جاہلوں کو دیتے ہیں۔کہ لو گھول کر پی لو یا گلے میں ڈال لو۔تمہاری حفاظت ہو گی۔یہ تعویذ کی صورت ہے۔

گنڈوں کی یہ صورت دو تین بالشت کا کچادھاگا سات تار کا لیتے ہیں اور اور اس میں سات گانٹھیں دیتے اور گانٹھ میں اپنے منہ کی ہوا کو منت پڑھ کر باندھتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ لو اپنے گلے میں باندھوں بخار نزدیک نہ آئے گا۔اور کسی چڑیل وغیرہ کی تاثیر نہ ہو گی۔یا بھینس کے سینگ میں باندھوں خوب دودھ دے گی۔

فلتیوں کی یہ صورت ہے کہ جب کوئی آدمی بھوت کا بیمار سمجھا جاتا ہے تو پیر صاحب کاغذ پر فرشتوں کے یا پیغمبروں کے نام لکھتے ہیں۔اور بتی کی مانند لپیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے جلا کر بیمار کی ناک میں دھواں چڑھا ہو۔تاکہ اس کا دماغ خراب ہو اور وہ کچھ بکے اور یہ کہیں کہ فلیتے کی تاثیر سے بھوت آیا ہے وہ بولتا ہے۔اور جو بیمار مضبوط ہو اور اس دھوئیں سے نہ بکے تو ایک اور فلیتہ لکھتے اور نیلے چھتڑے میں لپیٹتے ہیں۔جس کا دھواں زیادہ گھبرا دیتا ہے اور جو وہ اس سے بھی نہ بکے تو مرچیں جلا کر دھواں دیتے ہیں یہاں تک وہ بک اٹھتا ہے۔اور کہتے ہیں کہ ہاں اب بھوت قابوں میں آیا ہے۔اب میں اس کو جلا دوگا۔چولہے میں بیری کی لکڑیاں جلاؤ اس پر کوری ہنڈیا خالی رکھو اور پاس بیٹھ کر ماش کے دانے پر کچھ پڑھتے ہیں۔اور ہنڈیا میں ڈالتے جاتے ہیں اور آستین میں ایک بکری کا پتہ جس میں سرخ نری کا رنگ بھرلاتے چھپا رہتا ہے اور موقع پا کر فوراً ہنڈیا میں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو بھوت جل گیا آؤ اس کا خون دیکھ لو ارے احمقوں روح میں خون کہاں سے آسکتا ہے؟پھر کہتے ہیں کہ ہنڈیا کو باہر لے جا کر گہرے غار میں دفن کر دو کہ بھوت پھر سے نہ نکل آئے اور جلد ایک سفید جوان مرغ،گھی،چاول،میدا اور میوہ وغیرہ لاؤ

کہ ان فرشتوں کا نذرانہ دوں جنہوں نے اس بھوت کو پکڑ کر جلایا ہے۔اور مجھے جو کچھ دینا ہے وہ جدا نقد دیدو۔تب وہ جاہل غریب دیہاتی جو تنگ دست ہوتے ہیں جس طرح ہو سکتا ہے وہ یہ نذرانہ دیتے اور پیر صاحب اپنے گھر میں مرغا پلاو کہتے اور ہنستے ہیں۔

فال کی یہ صورت ہے کہ ایک کتاب بنار کھی ہے۔جس کے اول میں ایک صفحہ پر ایک نقشہ ہے ہر خانے میں کوئی حرف لکھا ہے جیسے کہ الف بے وغیرہ اور حرف کا بیان کتاب میں کچھ لکھا ہے۔

غریب مصیبت زدہ جاہل عورتیں اپنی تنگیوں میں چپ چاپ پیر صاحب کے پاس حاضر ہوتی اور اپنا دکھ روتی ہیں اور پیر صاحب فالنامہ یعنی وہی کتاب نکالتے اور وہ عورت نذرانہ کتاب پر رکھ دیتی ہے۔تب فرماتے ہیں کہ اپنی انگلی کسی خانہ پر رکھ۔جس خانے پر وہ انگلی رکھی۔اسی کے حرف کا بیان کتاب میں سے نکال کر سناتے ہیں۔اگر اچھا بیان ہے تو فال مبارک ہوئی اور اگر برا بیان ہے تو عورت غمگیں ہو گئی۔کہ میرے لیے یہ آفت آئے گی۔تب کہتے ہیں کہ یوں صدقہ دو اور یوں یوں کرو بلا دفع ہو جائے گی۔بعضوں نے رمل سیکھ لیا ہے۔وہ رمل سے مثلاً راول جوگیوں کے کچھ بتلاتے ہیں۔اور یوں جناب پیر صاحب کی بزرگیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ایسی باتوں میں اسلام کا ذکر ہے۔

یہ تین باتیں جو میں نے یہاں لکھی ہیں ان میں سے پہلی بات گویا ان کا سلوک یا صوفیت ہے۔دوسری بات میں وہ گویا طرق سلوک پورے کرتے ہیں۔تیسری بات میں ان کا عروج ہے۔جو کہ ان کی صوفیت سے حاصل ہوا ہے فقط آخر میں پھر کہتا ہوں کہ اگر خدا سے ملنا چاہتا ہوے تو بائبل مقدس کی طرف دیکھو اور دین مسیحی کی کیفیت اور ماہیت دریافت کرنے کے لیے کوشش کرو۔

راقم بندہ: عماد الدین لاہز